ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
اگست ۲۰۱۳ء
WWW.PAKSOCIETY.COM

عید مبارک

یادگار: شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

اشاعت کا ۶۲ واں سال

ماہ نامہ ہمدرد نونہال

صدر مجلس: سعدیہ راشد

مدیر اعلا: مسعود احمد برکاتی

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

جلد ۶۲ — شمارہ ۸

شوال المکرم ۱۴۳۵ ہجری — اگست ۲۰۱۴ عیسوی

قیمت عام شمارہ ۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے) ۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے) ۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے دستی لینے پر) ۳۴۰ رُپے

سالانہ (بیرونِ ممالک سے) ۵۰ امریکی ڈالر

ٹیلے فون ← 36620945 ، 36620949

36616001 ، 36616004

ایکسٹینشن ← (054 یا 052 یا 056)

ٹیلے فیکس نمبر ← (92-021) 36611755

ای میل ← hfp@hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان ← www.hamdardfoundation.org

ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) ← www.hamdardlabswaqf.org

ویب سائٹ ادارہ سعید ← www.hakimsaid.info

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابلِ قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے اس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا

سرورق کی تصویر: الوشا منصور اور ابراہیم محمود، کراچی

ISSN 02 59-3734

اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عید کے معنی کیا ہیں؟ عید کے لفظی معنی ہیں بار بار آنے والی چیز۔ عید کے معنی خوشی، مسرت، فرحت اور جشن کے بھی ہیں۔ مسلمان ہر سال رمضان کے بعد جو خوشی مناتے ہیں اس کو عید الفطر کہتے ہیں۔ میٹھی عید بھی اسی کو کہا جاتا ہے۔

سچی خوشی کبھی اکیلے نہیں منائی جاتی، بلکہ دوسروں کے ساتھ مل کر منائی جاتی ہے۔ انسان کا دل اسی وقت خوش ہوتا ہے جب دوسرے بھی خوشی میں شامل ہوں۔ اگر تمھیں کوئی خوشی ملے، مگر تمھارے بہن بھائی، ماں باپ، دوست اور ساتھی تم سے خوش نہ ہوں تو تمھارا دل بھی بجھ جائے گا اور تمھاری خوشی بھی ادھوری رہ جائے گی۔

عید کی خوشی بھی اس لیے زیادہ خوشی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں سب شریک ہوتے ہیں۔ سارا گھر عید کی تیاری کرتا ہے۔ نئے کپڑے سلوائے جاتے ہیں۔ عید کی صبح سب اکٹھے تیار ہوتے ہیں۔ سب مل کر عید کی نماز پڑھنے جاتے ہیں۔ عید کی جماعت بھی بہت بڑی ہوتی ہے۔ عید گاہ میں ہزاروں آدمی جمع ہوتے ہیں۔ نماز کے بعد گلے ملتے ہیں اور ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔

نماز کے بعد محلے میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ عزیزوں کے ہاں ملنے جاتے ہیں۔ اچھے اچھے کھانے کھائے جاتے ہیں۔ ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی ہیں۔

بزرگ اپنے بچوں کو اور چھوٹوں کو عیدی دیتے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور ہمیں اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔ شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جو بچے (یا بڑے بھی) اپنے حالات کی وجہ سے عید کی تیاری نہیں کر پاتے، ہم ان کو یاد رکھیں اور ان کو اس قابل بنائیں کہ وہ بھی عید کی خوشیاں پوری طرح منا سکیں۔

جس دن ہمارے ملک میں کوئی بھوکا ننگا اور محتاج نہیں رہے گا وہ دن ہمارے لیے سب سے بڑی عید کا دن ہوگا۔ (ہمدرد نونہال اپریل ۱۹۹۳ء سے لیا گیا)

اس مہینے کا خیال

ایک یادگار

پہلی بات

آج سے ۴۵ سال پہلے جب ہمدرد نونہال اپنی زندگی کے سترھویں سال میں داخل ہوا تو شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی نے مل کر اس کی ''پہلی بات'' لکھی تھی۔ یہ پہلی بات بار بار پڑھنے کے لائق ہے، اس لیے ہم اس کو دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔

ادارہ نونہال تمام نونہالوں کو دل کی گہرائیوں سے عید کی مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اسی کے ساتھ نئے سال کو خوش آمدید کہتا ہے۔

اس مہینے سے ہمدرد نونہال اپنی زندگی کے سترھویں سال میں داخل ہو رہا ہے۔ تم میں سے بہت سے نونہال ایسے ہوں گے، جنھوں نے سترہ سال پہلے ہمدرد نونہال پڑھنا شروع کیا ہوگا۔ اس وقت وہ بہت چھوٹے ہوں گے، مگر اب وہ کافی سمجھ دار ہو گئے ہیں اور تعلیم میں بھی بہت آگے بڑھ گئے ہیں۔ ہمارے لیے یہ بات بڑی اطمینان بخش ہے کہ ہمدرد نونہال نے اپنے پڑھنے والوں کی مدد کی اور ان کی ذہنی ترقی میں حصہ لیا۔ یہی اطمینان ہمارا معاوضہ ہے۔

ہمدرد نونہال نے جہاں نونہالوں کو سکھایا، پڑھایا اور ان کے دل و دماغ کو روشنی عطا کی، وہیں خود مدیروں نے بھی اس عرصے میں بہت کچھ حاصل کیا۔ بہت سی باتیں خود نونہالوں سے سیکھیں۔ ہمدرد نونہال کو مرتب کرنا بجائے خود ایک تجربہ ہے۔ ہم ہر مہینے نئے تجربات سے گزرتے ہیں، گویا ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ ہمارا ایک سبق ہے۔

ہمدرد نونہال ہماری زندگی کا ایک حصہ بن چکا ہے اور ہمیں خوشی ہے کہ یہ رسالہ پاکستانی نونہالوں کی زندگی کا بھی حصہ بن چکا ہے۔ ہماری خوشی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہمدرد نونہال نے بہت سے بڑے ادیبوں کو بھی بچوں کے لیے لکھنے پر مائل کیا۔

ہم سب سے پہلے نونہالوں کے شکر گزار ہیں، جن کے لیے نونہال شائع ہوتا ہے اور جو ہمیں بڑے اچھے مشورے دیتے ہیں۔ ہم اپنے ادیب دوستوں کے بھی ممنون ہیں، جو ہمدرد نونہال کو ہمدرد نونہال بناتے ہیں۔ ان سب کے تعاون سے ہمدرد نونہال آگے بڑھتا رہے گا اور نئی نئی راہیں پیدا کرتا رہے گا۔ ہمدرد نونہال کا ہر قدم ترقی کی جانب بڑھے گا۔ ان شاء اللہ۔

حکیم محمد سعید　　　　مسعود احمد برکاتی

سونے سے لکھنے کے قابل زندگی آموز باتیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جس نے چیزوں میں ملاوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔

مرسلہ : اریبہ انصاری، کراچی

حضرت علی کرم اللہ وجہ

کسی جاہل کے ساتھ تخت پر بیٹھنے سے تو اچھا ہے، کسی عالم کے ساتھ فرش پر بیٹھا جائے۔

مرسلہ : اظہر پٹھان، لاڑکانہ

ابراہیم بن ادھمؒ

خدا پر بھروسا کر کے زندگی گزارنا ہی عین عبادت ہے۔ مرسلہ : شائم عمران، کراچی

شیخ سعدیؒ

انسان مستقبل کا سوچ کر اپنا حال خراب کرتا ہے۔ مرسلہ : خرم خان، نارتھ کراچی

حضرت بایزید بسطامیؒ

وہ خدا سے بہت قریب ہے، جو خوش اخلاقی سے دوسروں کا بوجھ اُٹھانے والا ہے۔

مرسلہ : اقصیٰ انصاری، جھول

حضرت رابعہ بصریؒ

حاسد اور لالچی کبھی چین نہیں پاتا۔

مرسلہ : زاہد، لیاقت آباد، کراچی

حضرت سلمان فارسیؓ

علم کی مثال بہتے دریا کی سی ہے اس میں کتنا ہی خرچ کرو، کم نہیں ہوگا۔

مرسلہ : کرن فدا حسین، قیوم کالونی

مولانا محمد علی جوہر

جس دل میں انسانی ہمدردی ہو، وہ کبھی تنہا نہیں ہوتا۔ مرسلہ : واجد نگینوی، کراچی

شہید حکیم محمد سعید

ایک مزدور جو دن بھر محنت کر کے روزی کماتا ہے، اس پیسے والے آدمی سے کہیں بہتر ہے، جو کاہلی میں اپنا وقت گزارتا ہے۔

مرسلہ : ڈاکٹر صوبیہ رحمٰن، لطیف آباد

ابراہم لنکن

احمقوں کو نصیحت کرنا، شہد کی مکھیوں کے چھتے کو چھیڑنے کے برابر ہے۔ مرسلہ: قمر ناز دہلوی، کراچی

بچے کی دعا

ایس مغنی حیدر

میرے پیارے خدا!
مجھ کو کر دے عطا
علم کی روشنی
نور ایمان کا
تن درستی بھی دے
ہر مرض سے بچا
کہنا مانوں سدا
اپنے ماں باپ کا
نیک لڑکا بنوں
خوش رہوں میں سدا
تجھ سے بڑھ کر نہیں
کوئی ، مشکل کشا
تُو ہی حاجت روا
ساری مخلوق کا
تیرے در کا رہوں
میں ہمیشہ گدا
تجھ سے الفت رہے
میری صبح و مسا

میرے پیارے خدا!
سن لے میری دعا

شیخ سعدی کی ایک حکایت

سچائی اور نیکی

ایک بادشاہ نے ایک قیدی کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ بے چارہ قیدی زندگی سے مایوس ہو کر اپنی زبان میں بادشاہ کو گالیاں دینے لگا اور اول فول بکنے لگا۔ جیسا کہ لوگوں کا کہنا ہے کہ جو کوئی جان سے ہاتھ دھو لیتا ہے تو جو کچھ دل میں آتا ہے، کہہ دیتا ہے۔ جب بچنے کا کوئی موقع نہیں رہتا تو انسان کا ہاتھ تلوار پر جم جاتا ہے۔ انسان جب نا اُمید ہو جاتا ہے تو وہ زبان درازی کرنے لگتا ہے۔ عاجز آ کر بلی کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔

بادشاہ نے پوچھا: ''یہ قیدی کیا کہتا ہے؟''

ایک نیک وزیر نے عرض کیا: ''حضور! یہ کہہ رہا ہے کہ جو لوگ غصہ پی جاتے ہیں اور معاف کر دیتے ہیں وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔''

بادشاہ کو رحم آ گیا اور اس کی جان بخش دی۔

دوسرا وزیر جو نیک وزیر کی ضد تھا۔ بولا: ''ہمارے لیے مناسب نہیں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھوٹ بولیں۔ اس قیدی نے بادشاہ کو بُرا بھلا کہا ہے۔''

بادشاہ نے وزیر کی یہ بات سنی تو اسے اچھی نہ لگی۔ وہ کہنے لگا: ''وہ جھوٹ جو اس وزیر نے بولا، تیرے سچ سے زیادہ مجھے پسند آیا، کیوں کہ اس کا مقصد نیک تھا اور اس سچ کا مقصد بُرائی ہے۔''

عقل مندوں نے کہا ہے کہ فتنہ و فساد پیدا کرنے والے سچ سے صلح اور نیکی کے لیے بولا جانے والا جھوٹ بہتر ہے۔ ☆

نعمتوں سے مالا مال، پاکستان

نسرین شاہین

۱۴- اگست ۱۹۴۷ء جمعرات (۲۷ رمضان المبارک) کے دن بابائے قوم قائداعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں اسلامی ملک پاکستان دنیا کے نقشے پر اُبھرا۔ اس وقت یہ رقبے اور آبادی کے لحاظ سے ایک بڑا ملک تھا، جسے لاکھوں مسلمانوں نے جان دے کر حاصل کیا تھا۔

پاکستان دنیا کا واحد اسلامی ملک ہے، جو اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ پاکستان کا کُل رقبہ ۷۹۶۰۹۸ مربع کلومیٹر ہے اور ساحل کی لمبائی ۹۰۰ کلومیٹر ہے۔ پاکستان کے شمال میں چین، مشرق میں بھارت، جنوب میں بحیرۂ عرب، مغرب میں ایران، شمال مغرب میں افغانستان اور روس واقع ہیں۔ اپنے محل وقوع کے لحاظ سے پاکستان تمام عالمِ اسلام کی اُمیدوں کا مرکز ہے۔ یہ برّی، بحری اور فضائی راستوں کے ذریعے تمام اہم ممالک سے ملا ہوا ہے۔

سطح کے لحاظ سے پاکستان تین بڑے طبعی خطوں، یعنی پہاڑی، میدانی اور سطح مرتفع میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہاڑی علاقہ پاکستان کے شمال اور مغرب میں واقع ہے۔ شمال کی طرف ہمالیہ کے پہاڑی سلسلے واقع ہیں۔ کشمیر، گلگت، چترال، ہنزہ، کاغان اور سوات کی خوب صورت وادیاں اس خطے میں واقع ہیں۔ دنیا کی دوسری بلند ترین چوٹی ''کے ٹو'' بھی اسی علاقے میں واقع ہے۔

اونچے پہاڑ سارا سال برف سے ڈھکے رہتے ہیں، جہاں سے کئی دریا نکلتے ہیں۔

مغربی پہاڑی سلسلوں میں خیبر پختونخواہ اور بلوچستان کے سلسلے کوہِ سفید، کوہِ سلیمان اور کوہِ کیرتھر واقع ہیں۔ بارش کی کمی کے باعث یہ پہاڑ بنجر اور بے آب و گیاہ ہیں۔ میدانی علاقہ پاکستان کے مشرقی حصے میں واقع ہے۔ اس میں صوبۂ پنجاب اور صوبۂ سندھ کے علاقے آتے ہیں۔ اس علاقے میں سندھ، جہلم، چناب، راوی، ستلج اور بیاس جیسے دریا بہتے ہیں۔ یہ انتہائی زرخیز علاقہ ہے، جہاں نہروں کا جال بچھا ہوا ہے۔ یہ دنیا بھر میں آب پاشی کا بہترین نظام ہے۔

پاکستان کے اہم پہاڑی درّے، دّرہ خیبر، درّہ کرم، درّہ ٹوچی، درّہ گومل، درّہ بولان، درّہ لواری اور درّہ خنجراب ہیں۔ پاکستان کے تین ڈیم اہم ہیں۔ منگلا ڈیم، تربیلا ڈیم اور وارسک ڈیم۔ جب کہ سیاچن، باتورہ اور بالتورو پاکستان کے مشہور گلیشیر ہیں۔ پاکستان میں جھیلوں کی تعداد چھے ہے، جس میں منچھر، کینجھر، حنا، سیف الملوک، ست پارہ اور کھچورا شامل ہیں۔ پاکستان کے صحرا میں صحرائے تھر، سندھ میں ہے جب کہ چولستان اور تھل پنجاب میں ہیں۔

ہمارے پاکستان میں ہر قسم کی معدنیات موجود ہیں، جن میں چاندی، لوہا، کوئلا، ٹن، سیسہ، سنگِ مرمر، ابرق، تیل، گیس اور سونا شامل ہے۔ کان کنی کا پیشہ بھی ہمارے ملک میں اہمیت کا حامل ہے، پاکستان میں کھیوڑہ کے مقام پر نمک کی کانیں پوری دنیا میں مشہور ہیں۔

پاکستان زراعت کے لیے بھی بہت موزوں ملک ہے۔ یہاں بہترین آب و ہوا موجود ہے، جس کی وجہ سے یہاں زراعت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس کے لیے آب پاشی کی ضرورت ہے۔ ہمارے ملک کے ساحلی علاقے خاص طور پر بلوچستان کا ساحلی علاقہ مچھلی

اور جھینگوں کے لیے پوری دنیا میں مشہور ہے اور یہ دوسرے ممالک کو برآمد بھی کی جاتی ہیں۔

کپاس پاکستان کی اہم فصل ہے، جسے قومی فصل کی اہمیت حاصل ہے۔ پاکستان سے سوت، دھاگے اور کپاس کی دوسرے ممالک میں بہت مانگ ہے۔ ہمارے ملک کی کپاس کا ریشہ بہت لمبا ہوتا ہے۔ کپڑا بنانے میں بھی ہمارا ملک کسی سے کم نہیں ہے۔ یہاں کپڑا بنانے کے بہت سے کارخانے ہیں۔ فیصل آباد کپڑا بنانے کے لیے دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے۔ یہاں اعلا قسم کا سوتی اور گرم کپڑا تیار ہوتا ہے، جو دوسرے ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔

کھالوں اور چمڑے سے بنا ہوا سامان یعنی جوتے، ملبوسات، بیگ، پرس اور دیگر چیزیں بہت مقبول ہیں۔ چمڑے سے بنا ہوا سامان اور ملبوسات اٹلی، فرانس، اسپین، برطانیہ، جرمنی، امریکا، ملائیشیا، متحدہ عرب امارات، سعودی عرب، ایران اور دوسرے بہت سے ممالک کو بھیجا جاتا ہے۔ کھیلوں کے سامان کے لیے سیالکوٹ کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ یہاں شہتوت کی عمدہ لکڑی خاص طور پر ملتی ہے۔ سیالکوٹ کھیلوں کا سامان بنانے والا دنیا کا بہت بڑا مرکز ہے۔ یہاں فٹ بال، والی بال، ٹینس، ہاکی، کرکٹ کا سامان اور کیرم بورڈ وغیرہ بنائے جاتے ہیں۔ پاکستان سے یہ چیزیں دنیا بھر میں جاتی ہیں۔

دنیا کا تیسواں بڑا ملک پاکستان، جسے قدرت نے ہر قسم کی نعمت سے نوازا ہے۔ ہم سب کے پیارے شہید حکیم محمد سعید کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الرحمٰن میں جتنی نعمتوں کا ذکر کیا ہے، پاکستان میں وہ سب نعمتیں موجود ہیں۔ پاکستان پر یہ اللہ کا خاص کرم ہے۔

☆☆☆

عید کا دن

شمس القمر عاکف

کس قدر دل رُبا ہے عید کا دن
واہ! کیا جاں فزا ہے عید کا دن

رنج و غم جس سے بھاگ جاتے ہیں
وہ دلوں کی دوا ہے ، عید کا دن

رنجشیں دوستی میں بدلی ہیں
اُلفتوں سے سجا ہے عید کا دن

نونہالوں کے رخ دمکتے ہیں
اس لیے خوش نما ہے عید کا دن

روزہ داروں نے سختیاں جھیلیں
سو اِسی کی جزا ہے عید کا دن

اے خدا! سب تری عنایت ہے
شکر! تو نے دیا ہے ، عید کا دن

دیر سے انتظار تھا جس کا
لیجیے ، آ گیا ہے عید کا دن

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

نعتِ رسولِ مقبولؐ

شاعر : فاضل عثمانی

پسند : فائشہ سہیل

رہبر و رہنما محمدؐ ہیں
مقتدا ، پیشوا محمدؐ ہیں
مہر کامل اور بدرِ منیر
نورِ حق کی ضیاء محمدؐ ہیں
جن پہ قرآن کا نزول ہوا
وہ شہ دوسرا محمدؐ ہیں
رفعت انؐ کی صحابہؓ ہی جانیں
ہم کہیں کیا کہ کیا محمدؐ ہیں
میں ہوں کیا اور کیا شناخت مری
سب اُنا اور پتا محمدؐ ہیں
مفلسوں اور بے نواؤں کا
حق یہ ہے ، آسرا محمدؐ ہیں
میں ہوں شیدائی اور دلدادہ
مجھ سے مت پوچھو کیا محمدؐ ہیں

تکبر

مرسلہ : راجا عظمت حیات، پنڈ دادن خان

روایت ہے کہ پہلے زمانے میں ایک بزرگ جب کہیں جاتے تھے تو بادل اُن کی بزرگی کے باعث اُن پر سایہ کیے رہتے تھے۔ ایک شخص نے اُنھیں دیکھا تو کہا: ”بخدا میں بھی اس کے سائے میں چلوں گا۔ شاید مجھے بھی اس کی برکت حاصل ہو۔“

بزرگ نے جب اس آدمی کو اپنے سائے میں چلتے دیکھا تو دل میں غرور پیدا ہوا۔ پھر جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو سایہ دوسرے شخص کے ساتھ چلا گیا۔

خوش فہمی

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

کسی ملک کے بادشاہ نے ایک مرتبہ کسی بات سے خوش ہو کر فوج کے ایک چھوٹے افسر کو امتیازی نشان (تمغا) عطا کیا۔ افسر نے بادشاہ سے کہا: ''جہاں پناہ! میں خود کو اس کا حق دار نہیں سمجھتا یہ تمغا میدانِ جنگ میں کوئی کارنامہ دکھا کر ہی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

فوجی افسر کو توقع تھی کہ بادشاہ اس کا جواب سن کر خوش ہوگا اور اسے مزید انعام واکرام سے نوازے گا یا کم سے کم تعریفی الفاظ تو ضرور کہے گا، لیکن توقع کے برخلاف بادشاہ نے کہا: ''عجیب احمق آدمی ہو، کیا تمھاری خواہش کی خاطر میں جنگ چھیڑ دوں؟''

نظم وضبط

مرسلہ : مریم متین، کراچی

قائداعظم اسلام کو دینِ فطرت اور اسلامی اصولوں کو دنیا اور آخرت میں ترقی اور کام یابی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔ وہ عبادت میں بھی نظم وضبط کے قائل تھے۔

۱۹۴۶ء میں لندن میں قیام کے دوران وہ لندن کی ایک مسجد میں نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ قائداعظم کو آخری صف میں جگہ ملی۔ قائد کے ساتھیوں نے پہلی صف تک پہنچنے کے لیے جگہ بنانے کی کوشش کی تو انھوں نے فرمایا: ''نہیں، میری جگہ یہیں ہے۔'' چناں چہ قائداعظم نے آخری صف میں نماز ادا کی۔

حیرت افزا

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

☆ اس وقت دنیا بھر میں جتنے لوگ موجود ہیں، وہ اب تک مرنے والے افراد کی تعداد سے زیادہ ہیں۔

☆ مچھروں کو دور رکھنے والی دوائیں دراصل مچھروں کو دور نہیں بھگاتی ہیں۔ اس کے برعکس وہ آپ کو چھپا دیتی ہیں، مچھر کے سنسر کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں اور وہ

آپ کی موجودگی کو محسوس نہیں کر پاتے۔

☆ مچھروں کے لیے نیلا رنگ کسی بھی دوسرے رنگ سے زیادہ پُرکشش ہوتا ہے۔

☆ ایک زمانے میں سنگا پور میں چیونگم کا استعمال غیر قانونی قرار دیا گیا تھا۔

☆ بوڑھے لوگوں کی یادداشت صبح کے وقت اچھی ہوتی ہے، لیکن جوں جوں دن گزرتا ہے اس میں کمی آتی جاتی ہے۔

☆ دل کے ۸۰ فی صد مریضوں کو دل کا دورہ گھر پر پڑتا ہے۔

☆ بچے موسم بہار میں دوسرے موسموں کی نسبت تیزی سے بڑھتے ہیں۔

☆ چینی ملے پانی میں انڈا رکھا جائے تو وہ تیرتا رہے گا۔

☆ ۷۵ واٹ کا ایک بلب، ۲۵ واٹ کے تین بلبوں سے زیادہ روشنی دیتا ہے۔

☆ انٹارکٹیکا میں رکارڈ گرمی ۳ ڈگری فارن ہائیٹ تک پڑی تھی۔

وکیل کی قلابازی

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

ایک بے انتہا مصروف و معروف وکیل تیزی سے چلتے ہوئے عدالت میں داخل ہوئے اور کٹہرے میں کھڑے ہوئے ملزم کے خلاف زور و شور سے دلائل دینے شروع کر دیے اور ساتھ ہی جج سے مخاطب ہو کر بولے: "ملزم کو کڑی سے کڑی سزا دی جائے۔"

ان کی تقریر سن کر جج صاحب، حاضرینِ عدالت اور خود ملزم بھی ہکا بکا رہ گیا۔ اس دوران وکیل صاحب کا اسسٹنٹ جو کافی دیر سے انھیں اشارے کر رہا تھا۔ ان کے قریب آ کر سرگوشی میں بولا: "سر! یہ آپ کا موکل ہے، آپ کو اس کا دفاع کرنا ہے۔"

وکیل صاحب اچانک جج کی طرف مڑے اور بولے: "مائی لارڈ! میرے موکل کے خلاف مدعی کے وکیل زیادہ سے زیادہ یہی کہہ سکتے ہیں نا! جو ابھی میں نے عدالت کے گوش گزار کیا ہے۔ حال آں کہ

یہ سب کچھ من گھڑت اور بالکل بے بنیاد ہوگا، میرے موکل کے خلاف مدعی کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت موجود نہیں ہے۔ صرف جھوٹے اور بے بنیاد واقعاتی شواہد ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ میرا موکل بالکل بے گنا ہے۔"

اس کے بعد وکیل صاحب نے اپنے موکل کی صفائی میں اپنی پہلی تقریر کے بالکل برعکس دوسری تقریر شروع کردی جس کے آخر میں انھوں نے عدالت سے ملزم کو باعزت بری کرنے کی پُر زور سفارش بھی کی۔

سویاں

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

عید کے دن فرخ اپنے دوست اعجاز سے ملنے گیا۔ فرخ نے اعجاز سے پوچھا: "تم سناؤ کتنے روزے رکھے؟"

اعجاز نے جواب دیا: "کیا بتاؤں بہت بیمار تھا میں، ڈاکٹر نے غذا کا خاص خیال رکھنے کو کہا تھا، اس لیے ایک بھی روزہ نہ رکھا۔"

فرخ نے پھر پوچھا: "اچھا، عید کی نماز تو ضرور پڑھی ہوگی؟"

اعجاز نے جواب دیا: "نماز کیسے پڑھتا،، بستر سے ہلا بھی نہیں جا رہا تھا۔"

فرخ نے پوچھا: "اچھا یہ بتاؤ کہ سویاں کھائیں یا وہ بھی نہیں کھا سکے؟"

اعجاز نے جواب دیا: "لو، سویاں بھی نہیں کھاتا، اب اتنا بھی بیمار نہیں ہوں۔"

پانی

مرسلہ : شاہ رودل، محمد حسین، میلسی

آسماں کی طرف جائے تو بھاپ
بادلوں سے ٹپکے تو بارش
پہاڑوں پہ جمے تو برف
پہاڑوں سے گرے تو آبشار
جمع ہوجائے تو جھیل
بہتا ہوا جائے تو ندی
ہوا میں ہو تو نمی

☆☆☆

نابینا راہبر

اصغر عظیم

کراچی کے علاقے سہراب گوٹھ کے ایک کچے مکان میں رہنے والا ذبیح اللہ فیض صرف نو سال کا تھا۔ ایک رات ہنستے کھیلتے جب وہ نیند کی آغوش میں گیا تو اس نے سوچا بھی نہ تھا کہ صبح جاگے گا تو اس کی پُر نور آنکھیں بے نور ہو چکی ہوں گی۔ یہ صدمہ اس کے خاندان کے لیے جان لیوا تھا کہ اسی دوران ایک حادثے میں ذبیح اللہ اپنے باپ عیسیٰ خان فیض کی شفقت سے بھی محروم ہو گیا۔

صدموں سے نڈھال اس معصوم نے مدد کے لیے ہر دروازے پر دستک دی، لیکن کسی نے اس کی فریاد نہیں سنی، اپنوں نے ناتا توڑ لیا۔ نابینا اور بوجھ سمجھ کر اس کے لیے تعلیم کے دروازے بند کر دیے گئے۔ جب چاروں طرف سے نا اُمیدی ہونے لگی تو ایک نیک انسان نے اس کا رابطہ اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسیف سے کروا دیا، جہاں اس نے مہاجرین کے نام پر درخواست دی تو اسے امریکا جانے کا موقع مل گیا۔

کراچی کو چھوڑتے ہوئے اس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی قابل بنایا تو ایک دن وطن واپس آ کر دکھی انسانیت کی خدمت کرے گا۔ جنھیں زمانہ بوجھ سمجھتا ہے، ان کا بوجھ اُٹھائے گا۔

پُرعزم اور حوصلہ مند ذبیح اللہ نے دس سال تک امریکا میں دل لگا کر تعلیم حاصل کی، وہ چاہتا تو امریکا میں ہی اپنی باقی زندگی عیش و آرام سے گزار سکتا تھا، جس کے لیے اس کے پاس قانونی اور اخلاقی جواز موجود تھا، لیکن اس انسان دوست فرد کا خود سے کیا ہوا وعدہ پیروں کی زنجیر بن گیا اور اس نے دس سال بعد وطن واپس آ کر کراچی کے علاقے ابوالحسن اصفہانی روڈ پر کرائے کی ایک عمارت میں بینائی سے محروم بچوں کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کے لیے ''ہیلپنگ بلائنڈ پیپلز ویلفیئر آرگنائزیشن'' کے نام سے انسٹی ٹیوٹ کھول لیا، جس میں کراچی، سندھ اور اندرونِ ملک کے دور دراز علاقوں سے آنے والے بچے علم کے زیور سے مالا مال ہو رہے ہیں۔

اندرونِ شہر سے آنے والے بچوں کے رہنے کے لیے ذبیح اللہ نے ایک اور عمارت کرائے پر لے کر اسے ہوسٹل کا درجہ دیا ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ اس انسٹی ٹیوٹ میں بچوں کو انفارمیشن ٹیکنا لوجی، انگلش اور قیام کی سہولتیں بالکل مفت دی جاتی ہیں۔ ذبیح اللہ کا کہنا ہے کہ ادارے کو چلانے کے لیے ہر مہینے چار لاکھ روپے خرچ ہوتے ہیں۔ یہ خرچ امریکا میں مقیم دوست اور پاکستانی کمیونٹی اُٹھا رہی ہے۔

اللہ پاک جب اپنے کسی بندے سے اپنی کوئی امانت واپس لیتا ہے تو اسے ایسی پوشیدہ صلاحیتوں سے مالا مال کر دیتا ہے، جس کا کسی نے تصور بھی نہ کیا ہو۔ ایسا ہی کچھ

ذبیح اللہ فیض کے ساتھ ہوا۔ اس کا کہنا ہے کہ عمرے کی ادائی کے دوران میں نے اللہ کے گھر کو بالکل آنکھ والوں کی طرح دیکھا ہے۔ مجھے رب کائنات نے اتنی صلاحیت دی ہے کہ میں گاڑی اور موٹر سائیکل عام لوگوں کی طرح چلا سکتا ہوں۔ بینائی کے باعث اپنے والد کا آخری دیدار نہ کرنے کا غم بھلائے نہیں بھولتا۔

ذبیح اللہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی بینائی سے محروم یا معذور شخص اپنے آپ کو کم تر نہ سمجھے۔ بس ذرا سی ہمت کرے اور اللہ سے رجوع کرے تو اس کے لیے رحمت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ میں آنکھوں سے محروم اور ہر معذور شخص کو علم کے زیور سے آراستہ کرنا چاہتا ہوں۔ ☆

ای-میل کے ذریعے سے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تا کہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔

hfp@hamdardfoundation.org

جاوید بسام

وہ دن میاں بلاقی کے لیے انتہائی حیرت انگیز تھا۔ صبح کے وقت وہ اپنی بگھی کا پہیا ٹھیک کر رہا تھا کہ کسی نے اس کا کندھا ہلایا۔ اس نے گھوم کر دیکھا تو بڑے سے سر والا ایک بونا آدمی کھڑا تھا۔ وہ بولا: ''مجھے میاں بلاقی کی تلاش ہے۔''

''تم اس وقت اسی سے بات کر رہے ہو۔'' بلاقی نے کہا۔

''لیکن میں کیسے یقین کروں کہ تم ہی بلاقی ہو؟'' بونا اکڑ کر بولا۔

''ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔'' بلاقی تعجب سے بولا۔ اس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑائی تا کہ گواہی دلوا سکے، لیکن وہاں اور کوئی نہیں تھا۔ پھر اسے خیال آیا اور وہ مسکرا کر بولا: ''میں تمھیں اپنا شناختی کارڈ دکھاؤں؟''

''ہاں۔'' بونے نے خوش ہو کر کہا۔

بلاقی نے کارڈ نکال کر دکھایا اور پوچھا کہ وہ اسے کیوں ڈھونڈ رہا تھا۔ بونا رونی صورت بنا کر بولا: ''رات ہمارے چچا فوت ہو گئے۔ ان کی وصیت تھی کہ مرنے کے بعد انھیں آبائی گاؤں میں دفن کیا جائے۔ ہمیں ان کی میت لے کر جانی ہے۔''

یہ سن کر بلاقی اُچھل پڑا۔ وہ عرصہ دراز سے لوگوں کے گھروں کا سامان، غلے کے بورے اور پالتو جانور ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچاتا آیا تھا، لیکن اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن اسے ایک میت بھی پہنچانی پڑے گی۔ پھر اسے کچھ خیال آیا اور وہ بولا: ''بھائی! تم اسپتال کی گاڑی کیوں نہیں لیتے؟''

بونا منھ بنا کر بولا: ''اسپتال میں صرف ایک گاڑی ہے اور وہ کل ہی کسی کی میت لے کر دوسرے قصبے گئی ہے۔''

''اچھا مجبوری ہے۔ چلو ٹھیک ہے، ہم ابھی چلتے ہیں۔'' بلاقی نے پہیے کو دو تین ہتھوڑے لگائے اور وہاں سے چل دیا۔ بونا اسے راستہ بتاتا جا رہا تھا۔

کچھ دیر میں وہ مضافاتی علاقے میں پہنچ گئے۔ وہاں دور دور گھر بنے تھے۔ ایک بڑے مکان کے آگے بونے نے بگھی رکوائی، ایسا لگتا تھا جیسے مکان بہت دنوں سے خالی پڑا ہے۔ بونے نے پھرتی سے اُتر کر پھاٹک کی زنجیر کھولی اور پھاٹک چرچراہٹ کے ساتھ کھل گیا۔ اس نے بگھی اندر لانے کا اشارہ کیا۔ گھر کے احاطے میں پرانے درخت اور جھاڑیاں اُگی تھیں۔ بلاقی ان سے بچتا ہوا بگھی عمارت کے اندر تک لے آیا۔ اسی دوران دو آدمی باہر آئے اور بلاقی کو غور سے دیکھنے لگے۔ ان میں ایک لمبا اور دوسرا موٹا تھا۔
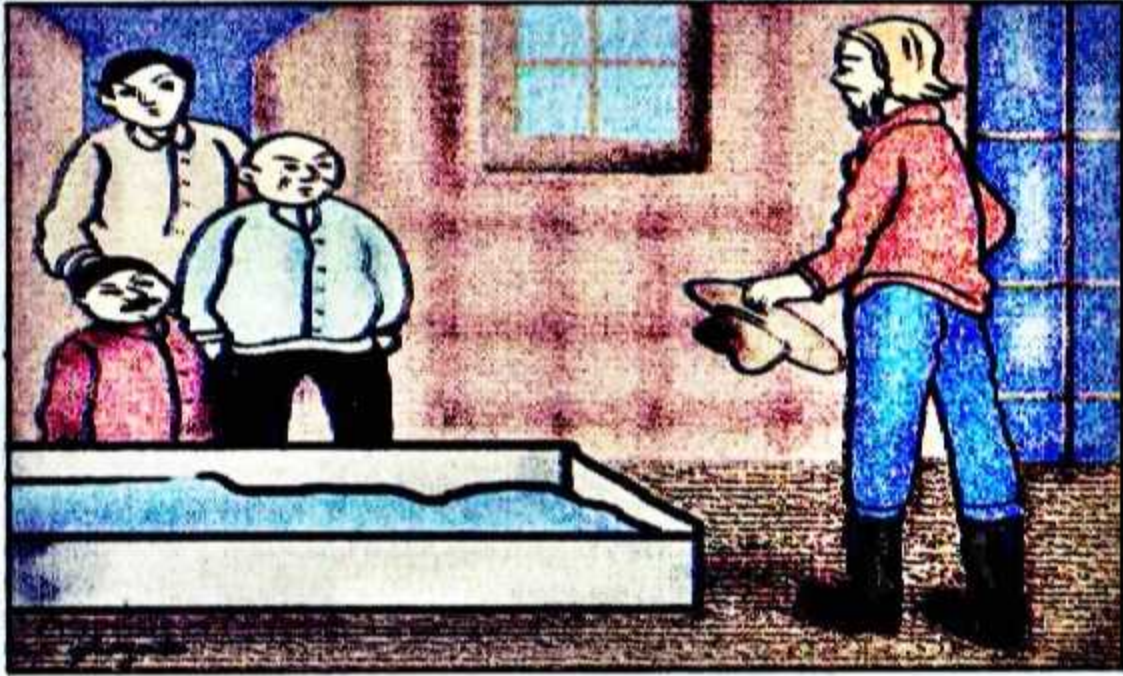
''میت کہاں ہے؟'' بلاقی نے پوچھا۔

''آؤ، اندر آ جاؤ۔'' بونا اُچھل کر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے بولا۔

سب گھر میں داخل ہوئے۔ بلاقی کو کمرے میں ایک تابوت رکھا نظر آیا۔ اس نے اپنا ہیٹ اُتارا اور احترام سے آگے بڑھ کر اس میں جھانکا، لیکن وہ خالی تھا۔ وہ حیرت سے پلٹا۔ اسی دوران باہر سڑک پر کسی پولیس وین کے گزرنے کی آواز سنائی دی۔ اس کا سائرن بج رہا تھا۔ وہ تینوں اُچھل پڑے اور دیوار کے ساتھ چپک گئے۔ وین پھاٹک کے قریب آ کر رک گئی۔ کچھ دیر رکی رہی پھر آگے بڑھ گئی۔ جب وہ دور چلی گئی تو بونے کے ساتھی بونے کو غصے سے گھورنے لگے۔ ان کا خیال تھا کہ بونا پولیس کو اپنے پیچھے لگا لایا ہے، جب کہ بونا کہہ رہا تھا کہ وین اتفاق سے وہاں آ نکلی ہے۔ ان میں بحث ہونے لگی۔

بلاقی کو گڑبڑ کا احساس ہوا، وہ بولا: ''دوستو! میرا خیال ہے آپ کی میت ابھی

پہنچی نہیں، میں چلتا ہوں، کل اسی وقت آ کر معلوم کرلوں گا۔''

وہ دروازے کی طرف بڑھا، لیکن لمبا آدمی اُچھل کر اس کے سامنے آ گیا اور پستول نکالتے ہوئے بولا: ''بڑے میاں! کہاں چلے؟ میت ابھی آ جاتی ہے۔''

اس نے بونے آدمی کو اشارہ کیا۔ وہ اُکڑتا ہوا آگے بڑھا اور تابوت کا ڈھکنا کھول کر اس میں لیٹ گیا۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں تھیں۔ باقی دونوں نے فوراً رونا شروع کر دیا: ''ہائے! ہمارے چچا فوت ہو گئے۔''

وہ اچھی اداکاری کر رہے تھے۔ بلاقی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ اچانک لمبے آدمی نے پستول اس کے سینے پر رکھ دیا اور سفاک لہجے میں بولا: ''بڑے میاں! سنو ہمیں یہ تابوت اس قصبے سے نکالنا ہے۔ تم ہماری مدد کرو گے ورنہ......'' اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے تیور اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔

''لیکن تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟'' بلاقی نے پوچھا۔

لمبے آدمی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور چیخ کر بولا: ''جلدی کرو، تابوت بگھی میں رکھو۔ ہم فوراً یہاں سے نکل رہے ہیں۔''

بلاقی کو مجبوراً اس کا حکم ماننا پڑا۔ اس نے موٹے آدمی کے ساتھ تابوت اُٹھا کر بگھی میں رکھا۔ دونوں اس کے ساتھ اگلی نشست پر بیٹھ گئے۔ لمبے آدمی کا ہاتھ بلاقی کی کمر سے لگا تھا، جس میں پستول تھا۔ اب وہ وہاں سے چل دیے۔

قصبے سے نکل کر کچھ دور چلنے کے بعد انھیں پولیس چوکی نظر آئی۔ لمبے اور موٹے دونوں آدمیوں نے اپنے بال بکھیرے، آنکھیں رگڑیں اور روتی صورت بنا کر بیٹھ گئے۔

وہاں کئی بگھیاں قطار میں لگی تھیں۔ بلاقی نے بھی بگھی روک دی۔ ایک پولیس اہلکار ان کی طرف آیا۔ قریب آ کر وہ مسکرایا: ''آ ہا، چچا بلاقی! کہاں چلے؟''

وہ بلاقی کے ایک پڑوسی کا لڑکا تھا اور اس سے اچھی طرح واقف تھا۔

بلاقی بولا: ''بیٹا! ان کا ایک عزیز فوت ہو گیا ہے، اسے گاؤں لے جا رہے ہیں۔''

موٹے اور لمبے دونوں آدمیوں نے رونا شروع کر دیا تھا۔ اہلکار نے پچھلے حصے پر ایک اچٹتی نظر ڈالی اور بولا: ''چچا! ٹھیک ہے، تمھیں دیر ہو رہی ہو گی، تم اِدھر سے نکل جاؤ۔''

اس نے راستہ بنانے کے لیے سیٹی بجائی۔

بلاقی نے بے دلی سے گھوڑوں کو چابک مارے۔ وہ دل میں سوچ رہا تھا کہ یہاں بھی جان پہچان نکل آئی، ورنہ دوسرا کوئی اتنی آسانی سے جانے نہیں دیتا۔ ان کی بگھی آگے بڑھ گئی۔

کچھ دور جا کر موٹے اور لمبے دونوں آدمیوں نے خوشی سے ہاتھوں پر ہاتھ مارے اور ہنسنے لگے۔ لمبا آدمی بولا: ''واہ وا، میاں بلاقی! ہمارا فیصلہ درست تھا تم اس قصبے میں کسی کے چچا، کسی کے خالو اور کسی کے ماموں ہو۔ ہم نے اسی لیے تمھاری بگھی لی تھی۔''

بلاقی سوچ رہا تھا کہ ان چالاک لوگوں نے اس کی شہرت سے فائدہ اُٹھایا ہے۔ اس دوران پیچھے کھٹ پٹ ہوئی اور بونا آدمی تابوت میں سے نکل آیا۔ لمبے آدمی نے ڈانٹ کر اس سے دوبارہ لیٹنے کو کہا، کیوں کہ ابھی سڑک پر بگھیاں گزر رہی تھیں۔ بونا پھر لیٹ گیا۔ وہ چلتے رہے۔

دوپہر تک وہ ایک اور قصبے کے نزدیک جا پہنچے۔ وہاں بھی گاڑیوں کی تلاشی لی جا رہی تھی۔ ایک اہلکار ان کی طرف آیا۔ بلاقی نے وہی بات دہرائی۔ لمبے اور موٹے آدمی

کے آنسو بہ رہے تھے۔ اہلکار نے پچھلا دروازہ کھولا اور تابوت کا معائنہ کرنے لگا۔ پھر آگے آیا اور بولا: ''مرنے والے کا ڈیتھ سرٹیفکیٹ دکھاؤ۔''

بلاقی لمبے کی طرف منھ کر کے بولا: ''ہاں بھئی سرٹیفکیٹ دکھاؤ۔''

لمبا آدمی ہکلا کر موٹے آدمی سے بولا: ''ہاں ...... ہاں سرٹیفکیٹ نکالو، کہاں ہے؟''

موٹے آدمی نے بے چارگی سے اسے دیکھا اور اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا، آخر ایک پرچا اس کے ہاتھ لگ گیا: ''ہاں یہ ہے سرٹیفکیٹ۔''

اس نے پرچا بلاقی کو دیا اور بلاقی نے اہلکار کو پکڑا دیا۔ پرچے پر اسپتال کا نشان نظر آ رہا تھا اور ڈاکٹری لکھائی میں کچھ لکھا تھا۔

اہلکار اسے پڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اسی دوران پیچھے آنے والی دو بگھیاں آپس میں ٹکرا گئیں۔ بہت زور کی آواز ہوئی۔ بہت سے لوگ چیخنے لگے، شاید کوئی زخمی ہو گیا تھا۔ اہلکار نے پرچا بلاقی کو پکڑایا اور آگے بڑھ گیا۔

''کیا ہم جائیں؟'' لمبا آدمی زور سے بولا۔

''ہاں جاؤ۔'' اہلکار نے جواب دیا۔

بلاقی نے ایک گہری سانس لے کر بگھی آگے بڑھا دی۔ کچھ دور تک وہ خاموشی سے چلتے رہے، پھر لمبا آدمی موٹے کو ہاتھ مار کر بولا: ''ارے بے وقوف! یہ پرچا تیرے پاس کہاں سے آیا؟''

موٹا آدمی بولا: ''باس! تمھیں پتا ہے، پچھلے دنوں مجھے کتنی کھانسی ہو رہی تھی۔ تم نے ہی تو مجھے دوا لانے اسپتال بھیجا تھا، تا کہ ہم ......''

لمبے آدمی نے فوراً اسے کہنی ماری اور بولا: ''چپ کر بے وقوف!''

پھر وہ زور زور سے ہنسنے لگا: ''اچھا تو یہ کھانسی کی دوا کا نسخہ تھا۔''

وہ ہنسے جا رہا تھا، موٹا آدمی بھی قہقہے لگا رہا تھا۔ دونوں کھانسی کی مصنوعی آوازیں نکال رہے تھے۔ بونا بھی باہر آ گیا تھا۔ بگھی تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ اب سہ پہر ہو گئی تھی۔ گھوڑے اپنی رفتار سے دوڑ رہے تھے۔ وہ جس علاقے سے گزر رہے تھے اس کے ایک طرف گھنا جنگل اور دوسری طرف ٹیلوں، جھاڑیوں اور گڑھوں والا علاقہ تھا۔ بلاقی کسی سوچ میں ڈوبا تھا۔ اس کی نگاہیں اطراف کا جائزہ بھی لے رہی تھیں۔ دور ایک قصبے کے آثار نظر آنے لگے۔ آخر ایک جگہ بلاقی نے بگھی روک دی اور بولا: ''میں تمھیں ایک خطرے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ اب جو قصبہ آ رہا ہے، وہ سرحدی علاقے میں ہے۔ وہاں بہت سخت تلاشی ہوتی ہے، میرا خیال ہے تم پکڑے جاؤ گے۔''

لمبا آدمی سوچ میں پڑ گیا پھر بولا: ''ہمیں کیا کرنا چاہیے؟''

''اس کا حل یہ ہے کہ ہم کوئی دوسرا راستہ استعمال کریں اور قصبے سے آگے نکل جائیں، کچھ دور جا کر واپس سڑک پر آ جائیں گے۔'' بلاقی بولا۔

''ہاں، ہم میدان میں سے گزر سکتے ہیں۔'' لمبا آدمی جلدی سے بولا۔

''نہیں، میدان ہموار نہیں ہے، وہاں بگھی اُلٹ جائے گی۔ ہمیں جنگل کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔'' بلاقی نے کہا۔

''لیکن جنگل تو بہت گھنا ہے، اس میں کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا۔''

''میں ایک راستہ جانتا ہوں۔'' بلاقی نے کہا۔

اسی دوران آسمان پر گھرے بادل اُمڈ آئے تھے اور سورج بادلوں میں چھپ گیا۔

آخر انھیں بلاقی کی بات ماننی پڑی۔ بلاقی نے بگھی کا رخ موڑا اور پیچھے آ کر ایک تنگ راستے پر بگھی ڈال دی۔ ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نظر آئی تھی جو اس نے فوراً چھپا لی تھی۔ راستہ بہت خراب تھا۔ جگہ جگہ جھاڑیاں اور درخت اُگے تھے۔ بگھی بار بار رخ بدل رہی تھی۔ لمبا آدمی فکرمندی سے بولا: ''ہم کہاں جا رہے ہیں؟ کچھ پتا نہیں چل رہا۔''

اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ سورج بادلوں میں چھپا تھا، سمت کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ بگھی چلتی رہی۔ تینوں پریشانی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے۔ آخر لمبا آدمی چلایا: ''روکو! فوراً بگھی روکو!''

بلاقی نے بگھی روک دی۔ لمبا آدمی غرا کر بولا: ''تم ہمیں بھٹکا رہے ہو۔ کچھ پتا نہیں چل رہا ہے کہ ہمارا رُخ کدھر ہے؟''

بلاقی اطمینان سے بولا: ''فکر نہ کرو ہم وہیں جا رہے ہیں، جہاں ہمیں جانا چاہیے۔''

''نہیں، میں تم پر بھروسا نہیں کر سکتا۔'' اس نے بلاقی کو ہٹایا اور خود بگھی چلانے لگا، لیکن وہ اتنا اچھا کوچوان نہیں تھا۔ ایک جگہ پہیا کسی درخت کی گری ہوئی شاخ پر چڑھا اور بگھی اُلٹتے اُلٹتے بچی تو لمبے آدمی کے ساتھیوں نے اسے مشورہ دیا کہ بگھی بلاقی کو ہی چلانے دی جائے۔ بلاقی پھر بگھی چلانے لگا۔ اچانک ایک موڑ مڑنے پر سامنے ایک پھاٹک نظر آیا۔ بگھی کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ وہ پھاٹک سے ٹکرائی۔ وہ فوراً کھل گیا۔ بگھی دوڑتی رہی۔ لمبا آدمی چیخا: ''یہ ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

بلاقی نے کہا: ''معلوم نہیں شاید میں راستہ بھول گیا ہوں۔''

کچھ دور ایک عمارت نظر آ رہی تھی۔ بلاقی نے بگھی وہاں جا کر روک دی۔ دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور کئی پولیس اہلکار نظر آئے۔ ان کے ہاتھوں میں اسلحہ تھا۔ بونا آدمی چلّایا: ''ہم پھنس گئے ہیں، اس نے ہمیں پھنسا دیا۔''

لمبے آدمی نے غضب ناک ہو کر ہوا میں دو فائر کیے۔ اہلکار درختوں کے پیچھے چھپ گئے۔ لمبے آدمی نے بلاقی کو ہٹا کر بگھی خود چلانی شروع کر دی۔ بگھی تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ اچانک وہ ایک گڑھے پر سے گزری اور ٹیڑھی ہو کر رک گئی۔ سب لڑھک کر باہر جا گرے۔ بلاقی کی ٹانگ پر سخت چوٹ آئی اور وہ تکلیف سے کراہنے لگا۔ لمبے آدمی کا پستول بلاقی کے آگے گرا تھا۔ وہ اُٹھانے کے لیے جھپٹا، لیکن بلاقی نے فوراً اُٹھا کر دور پھینک دیا۔ اسی دوران پولیس اہلکار وہاں آ گئے اور تینوں کو پکڑ لیا۔

جلد ہی وہ عمارت میں بیٹھے تھے۔ وہاں سب بلاقی کو پہچانتے تھے۔ وہ پولیس ٹریننگ سینٹر تھا۔ بلاقی ہر مہینے وہاں کھانے پینے کا سامان پہنچایا کرتا تھا۔ اس نے تمام واقعہ سینٹر کے نگراں کو سنایا اور بولا: ''جناب! میرا خیال ہے کہ تابوت کی نچلی تہ دہری ہے۔ اس میں کوئی قیمتی چیز چھپائی گئی ہے۔''

تینوں لٹیرے غصیلی نظروں سے بلاقی کو گھور رہے تھے۔ نگراں نے آدمی سے آری منگوائی۔ وہ آری لایا اور تابوت کاٹنا شروع کیا۔ بلاقی بولا: ''نگراں صاحب! آپ کو پتا ہے میسم ٹاؤن کے علاقے سے کیا کیا چیزیں باہر جاتی ہیں؟''

نگراں نے حیرت سے اسے دیکھا اور بولا: ''بہت سی چیزیں مثلاً مرغیاں، سبزیاں اور ہاں گنّے بھی۔''

بلاقی کی نظریں تابوت پر جمی تھیں وہ بولا: ''ہاں ایک چیز اور بھی ہو سکتی ہے، مثلاً کوئی قیمتی چیز جسے عجائب گھر سے چرایا گیا ہو۔''

اسی وقت تابوت کٹ گیا اور اخباری کاغذوں میں لپٹی ہوئی کوئی چیز نظر آئی۔ کاغذ ہٹانے پر اندر سے مورتی نکلی۔ وہ سونے کی بنی ہوئی مورتی تھی۔ سب حیران رہ گئے۔ تینوں لٹیروں کو گرفتار کر کے ایک پولیس وین میں قصبے روانہ کر دیا گیا۔ بلاقی کے ساتھ بھی ایک اہلکار گیا تھا۔ بلاقی کی ٹانگ میں بہت تکلیف تھی۔ اسے اسپتال لے جایا گیا، جہاں معائنے کے بعد اس کی ٹانگ پٹیوں میں جکڑ دی گئی اور ایک مہینے آرام کرنے کا کہا گیا۔ بلاقی کچھ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اہلکار نے اسے گھر چھوڑا اور واپس چلا گیا۔

اگلے دن میوزیم سے کچھ لوگ اس سے ملنے آئے۔ انھوں نے بلاقی کا شکریہ ادا کیا اور اس کی بہادری کی تعریف کی۔ پھر انھوں نے جیب سے ایک موٹا لفافہ نکالا اور بولے:

''میاں بلاقی! ہمارے ڈائریکٹر صاحب نے یہ رقم تمھیں انعام میں بھجوائی ہے۔''

بلاقی بولا: ''جناب! انعام کی ضرورت نہیں یہ تو ہر اچھے شہری کی ذمے داری ہے کہ مجرموں پر نظر رکھے۔''

وہ ہنس کر بولے: ''ہاں اور اچھے شہری کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے، تاکہ وہ خوب آرام کرے، کھائے پیے اور صحت یاب ہو کر ایک بار پھر چوروں اور لٹیروں کو پکڑ سکے۔''

سب زور زور سے ہنسنے لگے۔

☆☆☆

کایاپلٹ

خلیل جبار

''ناشتے میں اتنی دیر! میں نے تم سے کیا کہا تھا کہ آج مجھے ناشتا جلدی چاہیے۔''
سیٹھ تنویر نے بابا کریم جی کو غصے سے گھورتے ہوئے کہا۔

''سرکار......م......م...... میں نے پوری کوشش کی تھی کہ آپ...... آپ کو ناشتا وقت پر مل جائے۔'' بابا کریم نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''کیا خاک کوشش کی تھی، اگر کوشش کرتے تو ناشتے میں اتنی دیر نہ ہوتی۔'' سیٹھ تنویر نے کہا۔

''ج...... جی...... جی۔'' بابا کریم نے کہا۔

''یہ جی جی کی کیا رٹ لگا رکھی ہے۔ میرے سامنے سے اپنی صورت دور کرو، ورنہ تمھاری صورت دیکھ کر مجھے مزید غصہ آئے گا۔''

''جی میں چلا جاتا ہوں۔'' بابا کریم نے کہا۔

''کتنی بار کہا ہے کہ میرے توس زیادہ گرم مت کیا کرو، مجھے جلے ہوئے توس اچھے نہیں لگتے۔'' سیٹھ تنویر نے توس کی پلیٹ آگے کو سرکاتے ہوئے کہا۔

''میں دوسرے توس گرم کر کے لے آتا ہوں۔'' بابا کریم نے کہا۔

''جلدی لاؤ، ورنہ اسی وقت کھڑے کھڑے نوکری سے نکال دوں گا۔'' سیٹھ تنویر نے غصے سے پھنکارتے ہوئے کہا۔

بابا کریم تیزی سے کچن میں گئے اور دوسرے توس لے آئے۔

سیٹھ تنویر کے والد امتیاز علی کا شمار بڑے کاروباری لوگوں میں ہوتا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد بھائیوں میں سب سے بڑا ہونے کی وجہ سے تمام کاروباری حساب کتاب سیٹھ تنویر کے ہاتھ میں آ گیا تھا۔ وہ غصے کے شروع سے عادی تھے۔ دن رات کاروبار کو آگے سے آگے لے جانے اور خود کو کاروباری لوگوں میں ممتاز نظر آنے کی خواہش میں وہ وقت کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ وقت کی پابندی کے ساتھ وہ چاہتے تھے کہ دوسرے لوگ بھی وقت کی پابندی کریں۔ سیٹھ تنویر کے کاروبار پر زیادہ توجہ دینے سے گھریلو کاموں کی تمام ذمے داریاں چھوٹے بھائیوں پر آ گئی تھیں۔ اسی بنا پر سیٹھ تنویر گھر کی ذمے داریوں سے لاتعلق سے ہو کر رہ گئے تھے۔ گھر یا دفتر میں ان کی مرضی کے خلاف کوئی کام ہو جانے پر وہ طوفان کھڑا کر دیتے اور اتنی بدتمیزی سے پیش آتے کہ کام کرنے والا انتہائی شرمندگی محسوس کرنے لگتا تھا۔ آفس کا عملہ بھی ان کے آفس آنے پر سہا سہا رہتا تھا۔ عملہ کام چھوڑ کر اس لیے نہیں جاتا تھا کہ جتنی تنخواہ اور آسائش انھیں اس آفس میں ملی ہوئی تھی، وہ کسی دوسرے آفس میں نہیں مل سکتی تھی، اس لیے کام کرنے پر مجبور تھے۔

سیٹھ تنویر نے جلدی جلدی ناشتا کیا اور آفس جانے کے لیے کار کی طرف بڑھے۔ کار میں بیٹھتے ہی ڈرائیور ندیم نے کار کو سڑک پر دوڑانا شروع کر دیا۔ ابھی کار نے کچھ فاصلہ طے کیا تھا کہ سیٹھ تنویر کے چہرے پر ناگواری کی کیفیت طاری ہو گئی۔

''ندیم! ہم سیر و تفریح کے لیے نکلے ہیں یا دفتر جا رہے ہیں؟''

''سر! دفتر جا رہے ہیں۔'' ندیم نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''کار کی رفتار تم نے اتنی کم رکھی ہے کہ آج پیر کا دن ہے تو ہم جمعہ تک ضرور دفتر

پہنچ جائیں گے۔'' سیٹھ تنویر نے کہا۔

''سر! آپ نے ہی حکم دیا ہوا ہے کہ کار آہستہ چلایا کرو۔'' ندیم نے انھیں یاد دلایا۔

''اچھا...... اچھا ٹھیک ہے، اگر میں نے آہستہ چلانے کو کہا تھا تو اب تیز چلانے کا حکم بھی میں ہی دے رہا ہوں۔ مجھے آفس جلدی پہنچنا ہے۔'' سیٹھ تنویر نے تیز لہجے میں کہا۔

سیٹھ تنویر اس وقت آفس میں بیٹھے کسی فائل کے مطالعے میں مشغول تھے۔ کمرے کا دروازہ کھلا اور ان کا سیکریٹری اندر داخل ہوا۔

''ناصر میاں! کل میں نے آپ کو مون لائٹ کمپنی کے لیے ایک ڈرافٹ تیار کر کے روانہ کرنے کا کام سونپا تھا۔'' سیٹھ تنویر نے فائل پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

''جی...... جی سر! وہ آج روانہ کر دیا گیا ہے۔'' سیکریٹری ناصر نے کہا۔

''پھر ابھی تک مون لائٹ کمپنی کو وہ ڈرافٹ کیوں نہیں ملا ہے؟''

''سر! کل ٹائپسٹ حاکم علی کے گھر سے فون آ گیا تھا۔ اسے کسی ضروری کام کے سلسلے میں جلدی گھر جانا پڑا تھا، اس لیے وہ کل یہ کام نہیں کر سکا تھا۔ آج صبح آتے ہی اس نے سب سے پہلے یہ کام کر دیا ہے۔'' سیکریٹری ناصر نے بتایا۔

''حاکم کو میرے پاس بھیجیں۔'' سیٹھ تنویر نے انٹرکام پر آپریٹر سے کہا اور کسی کو فون کرنے لگے۔

حاکم جیسے ہی کمرے میں آیا تو سیٹھ تنویر کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

''حاکم! تمھیں تنخواہ گھر کے کام کرنے کی ملتی ہے یا آفس کے کام کرنے کی؟'' سیٹھ تنویر نے پوچھا۔

''ج...... جی...... و...... وہ...... دراصل...... مم...... میرا بیٹا سیڑھیوں سے گر کر زخمی ہوگیا تھا، اس لیے مجھے فوری طور پر گھر جانا پڑ گیا تھا۔'' حاکم نے بتایا۔

''میں نے تم سے جو پوچھا ہے، اس کا جواب دو۔ تمھیں تنخواہ کس کام کی ملتی ہے؟''

''آفس میں کام کرنے کی، سر!''

''پھر یہ کوتاہی کیوں ہوئی ہے! تمھیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ اس ڈرافٹ کا کل مون لائٹ کمپنی کو پہنچنا ضروری تھا۔ میں نے فون کر کے بڑی مشکل سے ایک دن کی مہلت لی ہے، ورنہ ہمارا معاہدہ منسوخ ہو جاتا۔'' سیٹھ تنویر نے پھنکارتے ہوئے کہا۔

''سر جی! غلطی ہوگئی، معاف کر دیں۔'' سیٹھ تنویر کو اس قدر غصے میں دیکھ کر حاکم کانپنے لگا تھا۔

''تم لوگوں کو بھاری بھاری تنخواہیں اس لیے نہیں دیتا کہ اس طرح بے پروائی کا مظاہرہ کرو۔ ناصر میاں! تم بھی کان کھول کر سن لو، مجھے کام کے وقت کام چاہیے۔ اگر ایسا نہیں ہو سکتا تو کسی اور آفس میں ملازمت ڈھونڈ لیں۔'' سیٹھ تنویر نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔

''سر...... آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔'' سیکریٹری ناصر نے گھبراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے، اب تم لوگ دفع ہو جاؤ۔'' سیٹھ تنویر نے کہا۔

وہ دونوں تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔ انھیں خطرہ تھا کہ کہیں سیٹھ تنویر انھیں اور زیادہ کھری کھری نہ سنا دے۔ سیٹھ تنویر نے غصے سے انھیں جاتا دیکھا اور پھر دوبارہ فائل کے مطالعے میں مشغول ہو گئے۔

سیٹھ تنویر کے لیے ملازمین کو ڈانٹنا معمولی بات تھی، اس لیے وہ کچھ ہی لمحوں میں یہ

بات بھول گئے کہ اس نے سیکریٹری ناصر اور حاکم کو ڈانٹا ہے۔ دوپہر کے کھانے کے وقفے میں سیٹھ تنویر کسی کام سے اپنے کمرے سے باہر آئے۔ آفس میں تمام میزیں خالی تھیں۔ ملازمین کھانا کھانے جا چکے تھے۔ اچانک ایک کمرے سے سیٹھ تنویر کو بچوں کی طرح کسی کے رونے کی آواز سنائی دی۔ آواز میں اس قدر درد تھا کہ سیٹھ تنویر جیسا سخت دل شخص بھی آواز کی طرف متوجہ ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ اس کمرے کی جانب بڑھا، جہاں فاضل چیزیں رکھی جاتی تھیں۔

کمرے میں حاکم جائے نماز پر اوپر کی طرف ہاتھ اُٹھائے بیٹھا تھا۔ منھ دوسری طرف ہونے کی وجہ سے حاکم سیٹھ تنویر کو نہیں دیکھ سکا تھا، لیکن سیٹھ تنویر اس کو آسانی سے دیکھ سکتے تھے۔

''اے اللہ! میں کتنا گناہ گار بندہ ہوں، تُو مجھ پر اپنے فضل و کرم کی بارش کر رہا ہے۔ قسم قسم کے میوے، پھل فروٹ کھلاتا ہے۔ کھانے میں گوشت اور سبزیاں کھلاتا ہے۔ میں تیری کس کس نعمت کا شکر ادا کروں، اتنی نعمتیں حاصل کر کے بھی تیری بارگاہ میں پانچ بار سجدہ ریز نہیں ہو پاتا۔ چند روپوں کی خاطر میں سیٹھ کی جھڑکیاں، طعنے ہنسی خوشی برداشت کر لیتا ہوں۔ اس کے معمولی معمولی غصے پر لرز کر رہ جاتا ہوں۔ میری پوری کوشش ہوتی ہے کہ وہ مجھ سے ناراض نہ ہوں، لیکن...... لیکن ہزار ہا نعمتیں و رحمتیں حاصل ہونے پر بھی میں دن میں پانچ بار سجدہ نہیں کر پاتا۔ اے اللہ! مجھے اتنی توفیق دے کہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کر سکوں۔ تیرے آگے بر وقت سجدہ ریز ہو سکوں۔'' یہ کہتے ہوئے حاکم کی ہچکی بندھ گئی تھی۔

سیٹھ تنویر کے بدن پر کپکپی طاری ہو گئی اور وہ اسی حالت میں اپنے کمرے میں

آ گئے، نگران کا دل تھا کہ کسی پل قرار نہیں پا رہا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھے بے چینی سے پہلو بدل رہے تھے، پھر وہ اچانک اُٹھے اور آفس سے نکل گئے۔ وہ رات بہت مشکل سے گزری۔ نیند ان کی آنکھوں سے بہت دور تھی۔ ان کے کانوں میں بار بار حاکم کی آوازیں گونج رہی تھیں، جو گڑگڑا کر اللہ سے معافی مانگ رہا تھا۔ پھر یکا یک انھوں نے اپنا جائزہ لیا۔ وہ دنیا داری میں اتنا گم ہو گئے تھے کہ انھیں اپنے حقیقی مالک کا شکر ادا کرنا یاد ہی نہیں رہا تھا۔

''اللہ نے مجھ پر اپنی نوازشات کی کس قدر بارش کی ہے، جس کام میں ہاتھ ڈالتا ہوں کام یاب ہو جاتا ہوں، لیکن مجھے یہ یاد نہیں کہ اپنے مالک کے حضور سر بھی جھکانا ہے۔ اے میرے اللہ! مجھے معاف کر دے۔''

ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اسی طرح روتے روتے جانے کب صبح ہوئی اور ان کے کانوں میں فجر کی اذان کے الفاظ گونجنے لگے۔ وہ ایک عزم سے اُٹھے اور وضو کر کے جائے نماز پر کھڑا ہو گئے۔

آج عجب دن طلوع ہوا تھا۔ گھر کے نوکر سیٹھ تنویر کے دھیمے لہجے پر حیران تھے۔ وہ سیٹھ تنویر جو روزانہ ذرا سی بات پر آگ بگولا ہو جاتے تھے، آج انتہائی سکون سے بات کر رہے تھے۔ نہ کوئی جھڑکی، نہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ۔ جب وہ دفتر پہنچے تو وہاں بھی انھوں نے سب سے خوش اخلاقی سے بات کی۔ ان کے چہرے پر غصے کے آثار دور دور تک نہیں تھے۔ دفتر کے ملازمین بھی ان کا بدلا ہوا روپ دیکھ کر حیرت زدہ تھے اور پھر سیٹھ تنویر حقیقت میں بدل گئے، لیکن ان کی شخصیت میں یہ تبدیلی سب کے لیے ایک راز ہی رہی کہ آخر یہ انقلاب کس طرح آ گیا۔ ☆

ہمارا پرچم

شاہد حسین

سبز ہلالی ہمارا پرچم
ہم کو جان سے پیارا پرچم

آزادی کی نعمت کا ہے
جیسے ایک اشارہ ، پرچم

چاند کے جیسا میری نظر میں
آنکھ کا میری تارا ، پرچم

لہراتا ہے سینہ تن کے
شان لیے ، یہ نیارا پرچم

اُٹھ کر سیلوٹ کریں ہم اس کو
جو ہے دل کا سہارا ، پرچم

آہ! عباس العزم

مسعود احمد برکاتی

۳۰ - اپریل ۲۰۱۴ء کو کچھ عرصے علیل رہنے کے بعد ہمارے دوست اور قلمی معاون پروفیسر محمد عباس العزم اللہ کو پیارے ہو گئے، افسوس! ان کی جدائی ایک بڑا ادبی نقصان ہے۔ وہ شاعر بھی تھے، کہانیاں بھی لکھتے تھے۔ ان کا مطالعہ بھی بہت وسیع تھا۔ ہمدرد نونہال اور دوسرے رسائل میں ان کی نظمیں چھپتی تھیں۔ رسالہ ہمدرد صحت میں کتابوں پر ان کے لکھے ہوئے تبصرے بھی شائع ہوتے تھے۔

عباس صاحب کا خاندانی نام ''عین العابدین محمد عباس صدیقی'' تھا۔ وہ صوبہ بہار (ہندستان) کے شہر ''مونگیر'' میں ۱۹۳۶ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں اور پھر کلکتہ میں حاصل کی۔ پاکستان بننے کے بعد عباس صاحب پاکستان آ گئے۔ عرصے تک وہ ڈھاکا، مشرقی پاکستان میں رہے۔ مشرقی پاکستان کی پاکستان سے علاحدگی کے بعد ۱۹۷۳ء میں اسلام آباد آ گئے اور یہاں تعلیم اور درس و تدریس کے سلسلے سے وابستہ ہو گئے۔ ۲۰۰۰ء میں پرنسپل کی حیثیت سے سرکاری ملازمت سے رٹائر ہو گئے۔ عباس صاحب نے خود بھی اعلا تعلیم حاصل کی۔ اردو میں ایم اے کیا۔ پھر سماجی سیاسیات میں بھی ایم اے کیا۔ اس کے علاوہ ایم ایڈ بھی کیا۔ پروفیسر عباس العزم نے اپنی طالب علمی کے زمانے سے شاعری شروع کر دی تھی۔ بچوں کے لیے ان کی نظموں کے کئی مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ پہلے مجموعے کا نام ہے ''سنگ سنگ ہم چلیں'' (۱۹۸۶ء) دوسرا مجموعہ ''پیار کی خوشبو'' کے نام سے ۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔ تیسرا مجموعہ ''پھول اور تتلیاں'' کے نام سے مرتب کیا تھا۔ اس کو نیشنل بک فاؤنڈیشن کی جانب سے ایوارڈ بھی دیا گیا تھا اور تعریفی سند کے علاوہ نقد انعام بھی دیا۔ عباس العزم صاحب نے اس مجموعے کے لیے فرمایش کر کے مجھ سے ''تعارف'' لکھوایا تھا۔ میں نے اس میں لکھا تھا:

عباس العزم صاحب، بچوں کے لیے کہانیاں بھی بڑی محنت سے لکھتے ہیں۔ ان کی کہانیاں روایتی نہیں ہوتیں، بلکہ ان میں موجودہ زندگی کا عکس ہوتا ہے۔......... میں اُن شعرا اور ادبا کی دل سے قدر کرتا ہوں، جو بچوں کے لیے لکھتے وقت جذبات کی شرافت اور زبان کی صحت کا پورا لحاظ رکھتے ہیں اور ان میں عباس العزم صاحب شامل ہیں۔ وہ ایک دردمند اور مہذب انسان ہیں۔ ☆

انگریزی کی مشہور مصنفہ یوحنا شپیری کا مقبول ناول ''ہیدی'' اردو میں

مسعود احمد برکاتی کے قلم سے

پیاری سی پہاڑی لڑکی

ہیدی ایک یتیم، بھولی بھالی اور معصوم چھوٹی سی لڑکی، پہاڑوں میں رہنے والی، باہمت، نرم مزاج اور ارادے کی پکی۔ دادا بد مزاج، تنہائی پسند، اپنے بنائے ہوئے اصولوں میں پکا۔
دونوں کا ساتھ کیسے ہوا؟ ایک ساتھ زندگی کیسے گزری؟ کس نے کس کی زندگی کو بدل کر رکھ دیا؟
ان سوالوں کے جواب اس کہانی کے واقعات سے مل جاتے ہیں۔ ممتاز اور مقبول ادیب مسعود احمد برکاتی نے اس انگریزی کہانی کو اردو زبان میں ڈھالا، آسان محاوروں سے سجایا اور دل کش رواں زبان میں زیادہ مزے دار بنا دیا ہے۔

نونہالوں کے بے حد اصرار پر کتابی صورت میں شائع کی گئی ہے۔

رنگین خوب صورت ٹائٹل — قیمت : پینسٹھ (۶۵) رپے

میرزا ادیب کی دل چسپ کہانیوں کا انتخاب

ایک طوفانی رات

میرزا ادیب کے نام سے سب بچے اور بڑے خوب واقف ہیں، خاص طور پر ہمدرد نونہال پڑھنے والے نونہالوں نے تو ان کی کہانیاں بڑے شوق سے پڑھی ہیں، نونہالوں کے شوق اور تقاضوں کے پیشِ نظر میرزا ادیب کی کہانیوں میں سے ۱۴ بہت دل چسپ کہانیاں **ایک طوفانی رات** میں جمع کر دی گئی ہیں۔

☆ لومڑی نے گھڑی سے کیا فائدہ اُٹھایا ☆ وہ کون سا پھول ہے جو کبھی نہیں کمھلاتا۔
☆ طوفانی رات میں کیا ہوا ☆ ہم سفر کون تھا ☆ دادا جان کے ہیرے اور جواہر کہاں تھے

یہ اور اس طرح کی دل چسپ ۱۴ باتصویر کہانیاں

خوب صورت رنگین ٹائٹل — صفحات : ۱۱۶ — قیمت : ۱۲۰ رپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی۔۷۴۶۰۰

ایک صاحب پان کی دکان پر پہنچے اور پانچ رپے دے کر بولے: ''بھئی! میرے لیے اعلا قسم کا پان تیار کرنا، جس میں لونگ، الائچی، سونف، قوام بھی ڈالنا۔ خوشبو اور کھوپرا ڈالنا نہ بھولنا اور ہاں ساتھ زعفرانی پتی اور گل قند بھی۔''

پان والا جل کر بولا: ''آپ نے جو پانچ رپے دیے ہیں، کہیے تو اسے بھی پان میں ڈال دوں؟''

لطیفہ : الطاف حسین، کانگڑھ شہداد پور

آیئے مصوری سیکھیں

غزالہ امام
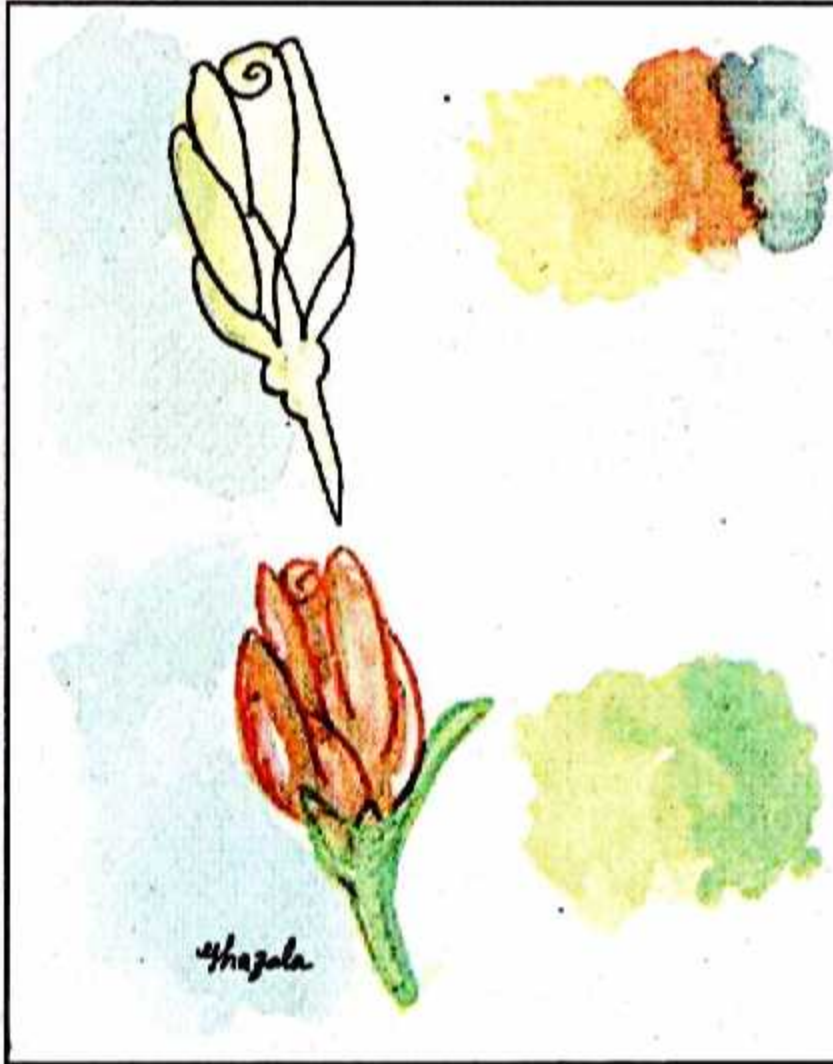
مصوری میں واٹر کلر کثرت سے استعمال ہوتے ہیں۔ اس میں مختلف رنگوں کو ملا کر ایک نیا رنگ بھی بنایا جا سکتا ہے۔ جیسے سرخ اور پیلا ملا کر نارنجی رنگ بن جاتا ہے۔ اوپر دیے ہوئے پھول کے خاکے میں ہلکا پیلا رنگ بھرا گیا ہے۔ اس کی ایک پتی میں پیلے پر نیلا رنگ بھر کر دکھایا گیا ہے۔ یہ تیسرا رنگ ہے۔ نیچے ایک ہی رنگ کے مختلف شیڈز دکھائے گئے ہیں۔ نیچے والے پھول میں سرخ کے ساتھ نیلا رنگ ملایا گیا ہے۔ اسی طرح آپ مختلف رنگ خود بنا سکتے ہیں۔

☆☆☆

خدا بادشاہ کو سلامت رکھے

مسعود احمد برکاتی

عرصہ ہوا ایران میں ایک زبردست بادشاہ کی حکومت تھی۔ اس نے حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی میں چھینکوں، سب لوگ کہیں: ''عمرت دراز باد۔'' یعنی خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔ سب درباری، امیر، وزیر، نوکر اور غلام، بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرتے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ بادشاہ کو چھینک آئی تو دربار میں موجود سب لوگوں نے بہت زور سے کہا: ''عمرت دراز باد، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔''

وہاں پر ایک گنوار قسم کا چرواہا بھی کوئی فریاد کرنے آیا ہوا تھا۔ اس نے یہ تماشا دیکھا تو ہنسنے لگا۔ لوگوں نے اسے ڈانٹا اور کہا: ''بدتمیز، گنوار، اس وقت تم شاہی دربار میں حاضر ہو، اس لیے تمھیں دربار کے طور طریقوں کا احترام کرنا چاہیے۔ جب بادشاہ چھینکے تو کہنا

چاہیے: ''عمرت دراز باد، یعنی خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔''

چرواہا جھنجلا کر بولا: ''احمق، بدتمیز، گاؤدی ہو گے تم سب۔ میں گنوار نہیں، میں یہ نہیں کہوں گا، میری مرضی۔''

دو تین خادم چرواہے کو پکڑ کر بادشاہ کے سامنے لے گئے اور اسے پوری بات سنائی۔ بادشاہ غصے اور جلال میں اور زیادہ باوقار نظر آ رہا تھا۔ اس نے بلند آواز میں کہا: ''اسی وقت ہمارے سامنے کہو۔ خدا ہم کو سلامت رکھے۔''

چرواہے نے کہا: ''خدا ہم کو سلامت رکھے۔''

بادشاہ گرج کر بولا: ''خدا مجھے سلامت رکھے، مجھے، مجھے۔''

چرواہے نے ادب سے بادشاہ کے الفاظ دہرا دیے: ''خدا مجھے سلامت رکھے، مجھے، مجھے۔''

بادشاہ اور بھی زیادہ گرج کر بولا: ''بے وقوف! احمق! خدا مجھے سلامت رکھے۔''

بادشاہ نے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔

چرواہے نے ادب سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کر کے کہا: ''جی عالی جاہ! خدا مجھے سلامت رکھے۔''

بادشاہ غصے سے تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ دہاڑ کر بولا: ''کوئی ہے، اس بد بخت کو یہاں سے لے جائے۔''

وزیر اعظم نے چرواہے کا ہاتھ پکڑا اور اس کے کان میں آہستہ سے کہا: ''بے وقوف! احمق! اگر جان کی امان چاہتے ہو تو اسی وقت کہو: ''خدا بادشاہ کو ہمیشہ

سلامت رکھے۔''

چرواہے نے کہا: ''یہ بات میں صرف ایک شرط پر کہوں گا کہ شہزادی کی مجھ سے شادی کر دی جائے۔''

شہزادی نے بھی یہ بات سن لی۔ وہ بے وقوف چرواہے کی بے باکی اور جسارت پر قہقہہ لگا کر ہنسنے لگی۔ البتہ بادشاہ کو اس بے ہودہ جواب پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے فوراً چرواہے کی موت کا فیصلہ کر دیا اور کہا: ''کل اسے بھوکے ریچھ کے پنجرے میں پھینک دیا جائے۔''

نوکر چرواہے کو کھینچتے ہوئے لے گئے اور ریچھ کے پنجرے میں دھکیل دیا۔ ریچھ دو دن سے بھوکا تھا۔ ابھی دروازہ بند ہوا ہی تھا کہ ریچھ بجلی کی طرح اپنے شکار پر لپکا۔ چرواہا بھی خطرے سے نمٹنے کے لیے تیار تھا۔ وہ ریچھ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گھورنے

لگا۔ ریچھ کی رفتار کم ہونے لگی، آخر وہ رک گیا۔ وہ بھی چرواہے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگا۔ اب چرواہا آہستہ آہستہ ایک قدم آگے بڑھا۔ ریچھ گھبرا کر پیچھے ہٹنے لگا۔ آخر وہ پنجرے کے کونے میں دبک کر اپنا پنجہ چاٹنے لگا۔

چرواہے کو معلوم تھا کہ اگر ذرا دیر کے لیے اس کی نظر چوکی، اگلے ہی لمحے ریچھ اس کو پچھاڑ کر مار ڈالے گا۔ جاگتے رہنے کے لیے چرواہا تمام رات گیت گاتا رہا۔

آخر صبح ہوگئی۔ وزیراعظم نے پنجرے کو دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ چرواہا زندہ اور صحیح سالم بیٹھا ہوا تھا۔

ایک بار پھر اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا: ''تم نے دیکھ لیا کہ موت تم سے کتنی قریب تھی؟ کیا اب بھی خدا بادشاہ کو سلامت رکھے، نہ کہو گے؟''

چرواہے نے بے خوفی سے کہا: ''حضور! میں دس بار موت کے منھ میں جانے کو تیار ہوں۔ یہ الفاظ میں صرف اس وقت کہوں گا، جب آپ شہزادی کی مجھ سے شادی کر دیں گے۔''

بادشاہ غصے سے دہاڑا: ''گستاخ! بدتمیز، بے ادب، گاؤدی، اس بد بخت کو جنگلی بھیڑیوں کے کٹہرے میں پھینک دیا جائے۔'' اس نے غلاموں کو حکم دیا۔

غلاموں نے اسی وقت حکم کی تعمیل کی اور چرواہے کو دس بھیڑیوں کے جنگلے میں پھینک دیا۔ بھیڑیے کئی دن کے بھوکے تھے۔ وہ سب اس کی طرف ایک ساتھ جھپٹے تاکہ اس کی بوٹی بوٹی نوچ لیں، لیکن چرواہے نے ایک بانسری نکالی اور اس پر ایک بہت عمدہ دُھن بجانے لگا۔ بھیڑیوں پر اس کا عجیب اثر ہوا۔ وہ پہلے تو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹے، پھر اپنی پچھلی

ٹانگوں پر کھڑے ہو کر ناچنے لگے۔ یہ منظر اتنا مزے دار تھا کہ چرواہے کو بھی ہنسی روکنا مشکل ہو رہی تھی، لیکن وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ جوں ہی وہ بانسری بجانا بند کرے گا، اسی لمحے بھیڑیے اس کی تکا بوٹی کر دیں گے۔ وہ بانسری بجاتا رہا اور بھیڑیے ناچتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ تھک کر گرنے لگے اور آخر سب بے دم ہو کر گر گئے۔ تب چرواہے نے بانسری دور پھینکی اور زور زور سے ہنسنے لگا۔ یہاں تک کہ اس کی ہنسی کی آواز وزیر اعظم کے محل تک پہنچی۔ وہ اپنے نوکروں سمیت بھاگا ہوا آیا۔ چرواہے کو زندہ سلامت دیکھ کر وہ بہت حیران ہوا۔

صبح سویرے جب بادشاہ کے سامنے چرواہے کو حاضر کیا گیا تو پہلے پہل وہ خود بھی حیران رہ گیا۔ آخر وہ بولا: ''تم نے دیکھ لیا کہ دس بار موت کا مقابلہ کرنا کیسا ہوتا ہے؟ نوجوان! اب بھی ضد سے باز آ جاؤ اور کہہ دو کہ عمرت دراز باد یعنی خدا بادشاہ کی عمر دراز کرے۔''

لیکن چرواہے کا ایک ہی جواب تھا: ''سرکار! میں سو بار موت کا مقابلہ کر سکتا ہوں، مگر یہ الفاظ صرف اس صورت میں کہوں گا کہ جب آپ شہزادی کی شادی مجھ سے......''

بادشاہ نے کڑک کر کہا: ''نامعقول، نالائق، بدتمیز، گستاخ! ایک لفظ بھی اور کہا تو تمھاری زبان کھینچ لی جائے گی۔ میں ابھی تمھیں بتاتا ہوں کہ سو بار موت کا مقابلہ کرنے کا کیا مطلب ہے۔''

بادشاہ نے اپنے غلاموں سے کہا: ''لے جاؤ، اس بد بخت کو اور اسے خنجروں والے کنویں میں دھکیل دو۔''

غلام چرواہے کو کھینچتے ہوئے ایک تہ خانے میں لے گئے۔ اس کے بالکل درمیان میں ایک گہرا کنواں تھا، جس میں ایک سو خنجر لگے ہوئے تھے۔ کنویں کی تہ میں مدھم سی روشنی تھی۔ یہ انتظام اس لیے تھا کہ لوگ مجرم کو کنویں میں گرانے کے بعد اس کا حشر دیکھ سکیں۔

غلاموں نے کچھ دیر کے لیے چرواہے کو تنہا چھوڑ دیا تا کہ وہ اچھی طرح اس خنجروں والے کنویں کو دیکھ لے۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح اس کا ارادہ بدل جائے اور وہ کہہ دے: ''عمرت دراز باد۔ خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔''

غلاموں کے باہر جاتے ہی چرواہے نے اپنی چھڑی کنویں کی منڈیر پر لگا دی، کوٹ میں گھاس پھوس بھر کر اسے چھڑی پر لٹکا دیا اور میلی ٹوپی اس کے سر پر رکھ دی۔ دور سے اب وہ چھڑی بالکل کوئی زندہ انسان دکھائی دیتی تھی۔ پھر چرواہے نے زور سے کہا: ''میں نے اچھی طرح غور کر لیا ہے کہ میں ہرگز بادشاہ کی مرضی کے مطابق وہ الفاظ نہیں کہہ سکتا، بلکہ اب تو میں یہ کہتا ہوں کہ بادشاہ مردہ باد، اس کے غلام مردہ باد۔''

اس کے الفاظ سن کر سارے غلام بہت غصہ ہوئے۔ وہ بھاگے ہوئے اندر آئے اور ایک زور کا دھکا دے کر کوٹ سمیت چھڑی کو کنویں میں گرا دیا۔ کنویں کی تہ میں بہت کم روشنی تھی۔ جب غلاموں نے کنویں میں جھانک کر دیکھا تو خنجروں کی نوکوں پر گرے ہوئے کوٹ کو دیکھ کر وہ سمجھے کہ اب چرواہا مر چکا ہے، کیوں کہ سارے خنجر اس کے جسم میں پیوست ہو گئے ہیں، لیکن چرواہا ایک اندھیری جگہ چھپا ہوا غلاموں کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

اگلی صبح وزیر اعظم ایک لیمپ ہاتھ میں لیے کمرے میں داخل ہوا تو اس نے ہنستے

مسکراتے چرواہے کو دیکھا۔ وہ بہت حیران اور پریشان ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جب اسے خنجروں والے کنویں میں دھکیل دیا گیا تھا تو وہ کیسے زندہ ہے! اس نے ایک بار پھر چرواہے کو بادشاہ کے سامنے حاضر کیا۔

بادشاہ کا غصے سے بُرا حال تھا۔ وہ بولا: ''تم نے دیکھ لیا کہ موت کیسی ہوتی ہے؟ اُمید ہے کہ اب تم ضرور کہہ دو گے: ''عمرت دراز باد، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔''

چرواہے نے کہا: ''سرکار! میرا اب بھی وہی جواب ہے۔ میں یہ الفاظ اسی صورت میں کہہ سکتا ہوں جب آپ شہزادی کی شادی مجھ سے کرنے کا وعدہ کریں۔''

بادشاہ نے اچھی طرح جان لیا کہ یہ نوجوان اپنے ارادے کا پکا ہے۔ اسے موت کی دھمکی دینا بے کار ہے، کیوں کہ کسی غیبی طاقت کے ذریعے سے یہ ہر بار موت کے منھ سے بچ جاتا ہے۔ چناں چہ اس نے نئی ترکیب آزمانے کا فیصلہ کیا۔

بادشاہ نے کہا! ''نوجوان! میں تمھیں کوئی اور سخت سزا بھی دے سکتا ہوں، لیکن میں اپنے دل میں تمھارے لیے ہمدردی محسوس کر رہا ہوں۔ اگر تم منظور کرو تو میں تم کو سنہرے جنگل کی جاگیر بخش دوں؟''

اس سے پہلے کہ چرواہا کچھ کہتا، بادشاہ نے تالی بجائی۔ اس کے ساتھ ہی ایک غلام حاضر ہوا۔ بادشاہ نے کہا: ''جاؤ گاڑی بان سے کہو کہ گاڑی تیار رکھے۔ ہم سنہرے جنگل کی سیر کرنا چاہتے ہیں۔''

جنگل میں پہنچ کر بادشاہ نے کہا: ''کہو، اب کیا ارادہ ہے؟ کیا اب بھی نہ کہو گے: ''عمرت دراز باد، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔''

چرواہے نے ادب سے جواب دیا: ''حضور! میرا جواب اب بھی وہی ہے۔''

بادشاہ کو سخت غصہ آیا، لیکن وہ ضبط کر گیا۔ اس نے گاڑی بان کو حکم دیا کہ گاڑی کو سونے کے محل لے چلو۔''

جب وہ سونے کے محل پہنچے تو بادشاہ نے کہا: ''میں تمھیں یہ سونے کا محل بھی بخش دوں گا۔ سنہرا جنگل اور سونے کا محل دونوں تمھارے ہوں گے۔ اگر تم فقط یہ کہہ دو کہ عمرت دراز باد۔''

چرواہے کی آنکھیں سونے کے محل کی چمک دمک دیکھ کر چندھیا گئیں، لیکن وہ بہت تحمّل سے بولا: ''حضور! یہ میں اس وقت تک نہ کہوں گا جب تک شہزادی کی شادی مجھ سے نہیں ہو جاتی۔''

بادشاہ کا غصے اور صدمے سے بُرا حال تھا۔ اس نے کبھی ایسا ضدی شخص نہیں دیکھا تھا۔ بادشاہ نے گاڑی بان سے کہا: ''گاڑی کو ہیروں کے تالاب تک لے چلو۔''

ہیروں کے تالاب میں ہیرے اور دوسرے قیمتی جواہر بھرے ہوئے تھے۔ چرواہے کی آنکھیں ان ہیروں کی جگمگاہٹ سے بند ہو گئیں۔

بادشاہ نے کہا: ''ہم تمھیں سنہرا جنگل، سونے کا محل اور ہیروں کے تالاب تینوں بخش دیں گے۔ بس تم صرف یہ کہہ دو: ''عمرت دراز باد، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔''

لیکن چرواہے نے سر ہلا کر کہا: ''نہیں سرکار! یہ الفاظ میں اس وقت تک نہ کہوں گا جب تک شہزادی کی شادی مجھ سے نہیں ہو جاتی۔''

اب بادشاہ کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ بولا: ''اچھا ہم تمھاری شادی شہزادی سے

کر دیتے ہیں، مگر پکا وعدہ کرو کہ تم عمرت دراز باد ضرور کہو گے؟''

چرواہے نے سعادت مندی سے کہا: ''جی حضور! میرا پکا وعدہ ہے۔''

سارے ملک میں شہزادی اور چرواہے کی شادی کا اعلان کیا گیا اور سچ تو یہ ہے کہ شادی اس دھوم دھام سے ہوئی کہ پہلے کبھی نہ کسی نے دیکھی نہ سنی۔ ہر ایک نے جی بھر کے کھایا پیا۔ دودھ پیتے بچوں تک کو سرکار کی طرف سے مفت دودھ مہیا کیا گیا۔ کھانے بھی ایسے مزے کے تھے کہ لوگ بہت دنوں تک ان کا چٹخارا لیتے رہے۔ اس دن ایک خاص بات یہ ہوئی کہ کھانا کھاتے وقت بادشاہ کو چھینک آ گئی۔

سب سے پہلے چرواہے نے کہا: ''عمرت دراز باد، خدا بادشاہ کو سلامت رکھے۔''

بادشاہ اتنا خوش ہوا کہ جیسے اسے دنیا بھر کی دولت مل گئی۔ وہ یہ غم بھول گیا کہ اس کی لڑکی ایک معمولی چرواہے سے بیاہی گئی ہے۔

چرواہے کے عزم نے اس کو بادشاہ کا داماد بنا دیا۔ عزم سے آدمی اپنے بڑے سے بڑے مقصد میں کام یاب ہو سکتا ہے۔ ☆

بعض نونہال پوچھتے ہیں کہ رسالہ ہمدرد نونہال ڈاک سے منگوانے کا کیا طریقہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس کی سالانہ قیمت ۳۸۰ روپے (رجسٹری سے ۵۰۰ روپے) منی آرڈر یا چیک سے بھیج کر اپنا نام پتا لکھ دیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کس مہینے سے رسالہ جاری کرانا چاہتے ہیں، لیکن چوں کہ رسالہ کبھی کبھی ڈاک سے کھو بھی جاتا ہے، اس لیے رسالہ حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اخبار والے سے کہہ دیں کہ وہ ہر مہینے ہمدرد نونہال آپ کے گھر پہنچا دیا کرے ورنہ اسٹالوں اور دکانوں پر بھی ہمدرد نونہال ملتا ہے۔ وہاں سے ہر مہینے خرید لیا جائے۔ اس طرح پیسے بھی اکٹھے خرچ نہیں ہوں گے اور رسالہ بھی جلد مل جائے گا۔

ہمدرد فاؤنڈیشن، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی

لچھا

رانا محمد شاہد

''لچھا لے لو...... لچھا'' یہ آواز گلیوں میں اکثر سنائی دیتی ہے۔

چینی سے بنایا جانے والا یہ لچھا بچوں کی پسندیدہ چیز ہے۔ یہ واحد مٹھائی ہے، جو پوری دنیا کے بچوں میں بے حد مقبول ہے۔ گلی محلوں، تاریخی و تفریحی مقامات اور اسکولوں کے سامنے لچھا بیچنے والے موجود ہوتے ہیں۔ لچھا بیچنے والے اسے مختلف شکلوں جیسے جانوروں، پرندوں، پھولوں اور گڑیوں کی شکل میں فروخت کرتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ کھانے کے ساتھ دیکھنے میں بھی اچھا لگے۔ لچھے میں چینی کے علاوہ کوئی اور چیز شامل نہیں کی جاتی۔ پاکستان میں بچے اسے ''گڑیا کے بال'' بھی کہتے ہیں۔

لچھا مختلف رنگوں میں تیار کیا جاتا ہے۔ امریکا، برطانیہ اور یورپ میں ایسے لچھے بنائے جاتے ہیں، جو سائز میں کافی بڑے ہوتے ہیں۔ وہاں ہر عمر کے افراد اسے شوق سے کھاتے ہیں۔ مختلف تہواروں جیسے کرسمس وغیرہ پر تو اس کی فروخت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔ لچھے کو چھوئیں تو محسوس ہوتا ہے جیسے آپ اُون کو چھو رہے ہیں۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ منھ میں ڈالتے ہی گھل جاتا ہے۔ اس کی کوئی خاص خوشبو نہیں ہے۔ البتہ تیاری کے وقت چینی کو گرم کرنے سے ایک مخصوص خوشبو ضرور محسوس ہوتی ہے۔

عام طور پر گلی محلوں میں کھانے پینے کی کوئی چیز فروخت کرنے والے مخصوص آوازوں میں گاہکوں کو متوجہ کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ باجے، میوزک اور گھنٹی وغیرہ کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ یہ مخصوص آوازیں سنتے ہی بچوں کو فوری پتا چل جاتا ہے

کہ گلی میں کون سی چیز فروخت کرنے والا موجود ہے۔ لچھے فرخت کرنے والے عموماً پیتل کی گھنٹی بجا کر اپنی آمد کا اعلان کرتے ہیں۔ لچھا بچوں کی اس لیے بھی پسندیدہ ترین مٹھائی ہے کہ اس کے کھانے سے نہ تو بچے کا گلا خراب ہوتا ہے اور نہ وہ بیمار ہوتا ہے۔

لچھے بیچنے والے انھیں جست کی ایک پیٹی میں ڈال کر فروخت کرتے ہیں۔ اگر ۱۵، ۲۰ برس پیچھے جائیں تو بیچنے والے لچھے بنانے والی مشینیں بھی ساتھ لاتے تھے۔ لچھے بنانے والا مشین میں چینی ڈالتا جاتا اور لچھے بنا کر بچوں کو دیتا جاتا تھا۔ ایک بڑی دل چسپ بات یہ ہے کہ اُس دور میں لچھے بنانے والوں نے اپنے پاس ''قسمت کی پڑیاں'' بھی رکھی ہوتی تھیں۔ چار آنے میں ملنے والی قسمت پڑیا کو جب بچے کھولتے تھے تو اس میں لکھے ہوئے عدد کے مطابق لچھے بنانے والا اس بچے کو لچھے دیتا تھا۔ ایک لچھے بنانے والے نے بتایا کہ آج سے تقریباً پندرہ برس پہلے ایک روپے میں آٹھ لچھے آتے تھے۔ آج کل ایک لچھے کی قیمت پانچ روپے ہے۔ بعض علاقوں میں تو یہ دس سے پندرہ روپے میں بھی فروخت ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس کا اس قدر مہنگا ہونا چینی کی وجہ سے ہے۔

لچھا بنانے والی مشین کے نیچے بجلی کی موٹر اور گیس کا سلنڈر رکھا ہوتا ہے۔ آگ جلتی ہے تو لوہے کے ٹب کے اندر لگے پیالے میں ڈالی جانے والی چینی پگھلتی ہے۔ پھر جب لوہے کا ٹب تیزی سے گھومتا ہے تو پگھلی ہوئی چینی ہوا لگنے سے ریشوں میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بڑے خوب صورت انداز میں انھیں پیٹی میں رکھا جاتا ہے۔ لچھوں کو جست کی جس پیٹی میں رکھا جاتا ہے اس کے ایک طرف شیشہ لگا ہوتا ہے۔

عموماً آپ دیکھتے ہوں گے کہ لچھا بیچنے والے عمر رسیدہ لوگ ہوتے ہیں۔ اس کی

ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ اتنی طاقت و ہمت نہیں رکھتے کہ وزنی سامان اُٹھا سکیں۔ چناں چہ لچھے بیچ کر اپنا اور اپنے خاندان کا پیٹ پالتے ہیں۔ چینی زیادہ مہنگی ہونے کی وجہ سے لچھا بیچنے والوں کا کاروبار بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔ ایک لچھا فروخت کرنے والے نے بتایا کہ ایک کلو چینی میں ۹۰ لچھے بنتے ہیں۔ پھر جو لچھے بچ جاتے ہیں وہ اگلے روز ضائع ہو جاتے ہیں، کیوں کہ ان میں نمی بہت جلد اثر کرتی ہے۔ نمی سے بچانے کے لیے ہی انھیں پلاسٹک کے لفافوں میں بند کیا جاتا ہے۔ سردیوں کی نسبت گرمیوں میں لچھے جلدی خراب ہو جاتے ہیں۔

اگر ہم لچھے کی تاریخ پر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ لچھا ۱۸۹۷ء میں ایجاد ہوا۔ لچھے کے موجدین میں ولیم موریسن اور جان سی وہارٹن شامل ہیں۔ اسے پہلی مرتبہ ۱۹۰۴ء میں سینٹ لوئیس کے ورلڈ فیئر میں ''فیری فلوس'' کے نام سے فروخت کے لیے پیش کیا گیا۔ ۱۶ سال بعد ۱۹۲۰ء میں اس کا نام فیری فلوس سے تبدیل کر کے ''کاٹن کینڈی'' رکھ دیا گیا۔ امریکا میں ہر سال ۷ دسمبر کا دن ''کاٹن کینڈی ڈے'' کے طور پر منایا جاتا ہے۔ ☆

دانتوں کو بیماریوں سے بچانے کے لیے شوگر فری ٹافیاں تیار

جرمنی کے سائنس داں ایسی شوگر فری ٹافیاں بنانے میں کام یاب ہو گئے ہیں، جو بچوں کے دانتوں کو کیڑا لگنے اور مسوڑھوں کی بیماریوں سے بچائیں گی۔ ان ٹافیوں میں وہ اچھے جراثیم شامل کیے گئے ہیں، جو دانتوں کو کیڑا لگنے سے بچاتے ہیں۔ سائنس دانوں کے مطابق انسان کے منھ میں اچھے اور بُرے جراثیم پائے جاتے ہیں، لیکن اس ٹافی کے جراثیم دانتوں کے گرد اپنا حصار قائم کر کے ان کو منھ میں موجود خراب جراثیم بچائیں گے۔ مرسلہ : عائشہ فرازیہ اقبال، عزیز آباد

پتّھر

شاعر لکھنوی

کھا رہا ہے ہر ایک کی ٹھوکر
راہ میں یہ پڑا ہوا پتھر

جسم پر اس کے سیکڑوں ہیں داغ
کس قبیلے کا ہے یہ چشم وچراغ

کون سے اونچے خاندان سے ہے
سلسلہ اس کا کس چٹان سے ہے

کس طلب نے اسے ستایا ہے
اس طرف کس غرض سے آیا ہے

گرچہ اِک عمر سے ہے گرد آلود
آدمی سے بڑا ہے اس کا وجود

لاکھ اپنی جگہ یہ بھاری ہے
اس کی فطرت میں خاکساری ہے

اپنی گردش کا خود کفیل ہے یہ
اپنی راہوں کا سنگِ میل ہے یہ

سختیوں کی تو اس کو عادت ہے
سخت دل ہو کے نرم طینت ہے

حادثوں سے بھی یہ نہیں ڈرتا
ٹھوکروں پر بھی اُف نہیں کرتا

اس نے دیکھی ہے وقت کی ہر راہ
آدمی کی روِش سے ہے آگاہ

لحہ لحہ ہے اس کا یہ اعلان
راستہ ''دیکھ کر'' چلے انسان

سونے کی ٹکیاں

اُمِ عادل

دسمبر کے مہینے میں سردی اپنے عروج پر تھی۔ ثنا و صبا اسکول جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں۔ اتنی شدید سردی میں صبح سویرے گھر سے نکلنا بہت دشوار لگتا ہے، مگر بہر حال اسکول تو جانا ہی تھا۔ وہ ایک چھوٹے سے قصبے میں رہتی تھی۔ اسکول گھر سے بہت دور تھا۔ راستے میں ایک میدان عبور کر کے ان کا اسکول واقع تھا۔ جب دونوں بہنیں میدان سے گزر رہی تھیں تو میدان میں پھیلی دھوپ انھیں بہت بھلی لگ رہی تھی۔ اچانک ریت پر پڑی دو چمک دار ٹکیاں انھیں نظر آئیں، جس پر سورج کی روشنی پڑنے کی وجہ سے ان کی چمک نگاہوں کو خیرہ کر رہی تھی۔ دونوں ایک ساتھ رک گئیں۔ دونوں نے ایک دوسرے کو سوالیہ نظروں سے دیکھا، پھر صبا نے ٹکیاں جھاڑیوں کی طرف پھینک کر ان پر مٹی ڈال دی اور دونوں بہنیں اسکول پہنچ گئیں۔ ثنا اور صبا کی والدہ نے ابتدا سے ہی اپنی دونوں بچیوں کی تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت پر بھی بھر پور توجہ دی۔ انھوں نے ہمیشہ کہا باہر پڑی ہوئی کوئی بھی چیز گھر میں نہ لائیں۔

سونے کی ٹکیاں نہ اُٹھانے کی بڑی وجہ ان کی تربیت ہی تھی۔ اسکول میں بھی انھوں نے کسی سے اس واقعے کا ذکر نہ کیا اور گھر آ کر بھی وہ یہ واقعہ بھول گئیں۔ حسبِ معمول اپنا ہوم ورک کرنے کے بعد گھر کے کاموں میں امی کا ہاتھ بٹایا۔ رات ہونے کو آئی، مگر آج ان کے والد ابھی تک اپنی ڈیوٹی سے واپس نہ آئے تھے۔

ثنا اور صبا کے والد عمر صاحب محکمۂ پولیس میں انسپکٹر تھے۔ وہ اپنی ڈیوٹی نہایت

ذمے داری اور دیانت سے سرانجام دیتے تھے۔خوش قسمتی سے انھیں تھانے کا عملہ اور ایس۔ایچ۔او صاحب بھی ہم مزاج ملے تھے، اس لیے انھیں اس تھانے میں لوگوں کی خدمت کر کے دلی سکون ملتا تھا۔آج دیر سے گھر آمد کی وجہ ایک غریب بُوھیا کا چوری کا مقدمہ تھا۔وہ روتی ہوئی تھانے آئی تھی کہ میرے پاس میرے یتیم بھتیجے کی امانت دو سونے کی ٹکیاں رکھی تھیں۔رات کوئی چور دونوں سونے کی ٹکیاں لے اُڑا۔بُوھیا بے تحاشا رو رہی تھی۔تھانے دار صاحب نے اسی وقت ثنا اور صبا کے والد کی سربراہی میں چور کی تلاش میں ٹیم روانہ کروی۔کافی دوڑ دھوپ کے بعد بہت سے مشکوک افراد تھانے لائے گئے۔ان میں بڑھیا کے گھر چوری کرنے والا بھی موجود تھا۔اس نے مار سے بچنے کے لیے خود ہی پولیس والوں کے سامنے اعتراف جرم کرلیا، مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ چوری میں نے ضرور کی ہے، مگر ٹکیاں میرے پاس نہیں، وہ کہیں گم ہوگئی ہیں۔اس تمام کارروائی میں بہت رات ہوچکی تھی۔باقی تمام افراد کو چھوڑ کر اصل مجرم کو حوالات میں بند کر دیا گیا۔

رات کو جب انسپکٹر عمر گھر پہنچے تو ان کی بیوی بہت فکر مند ہو رہی تھی۔بچیاں انتظار کرتے کرتے سو چکی تھیں۔صبح ثنا اور صبا نے بیدار ہو کر اپنے ابو کو سلام کیا اور رات دیر سے آنے کی وجہ پوچھی۔ابو نے ثنا اور صبا کو پیار کیا اور بوڑھی عورت کی دو سونے کی ٹکیوں کی چوری اور چور کو پکڑنے اور اس کے اقرار جرم تک تمام واقعہ انھیں سنا دیا۔

''مگر جب چوری کی ہے تو مال کہاں چلا گیا۔اس نے بتایا نہیں؟'' ثناء نے پوچھا۔

''وہ کہتا ہے کہ میں ٹکیاں چُرا کر نکلا تو میدان تک وہ میرے ہاتھ میں

تھیں ۔میدان میں داخل ہوتے ہی انھیں جیب میں ڈال لیا، پھر میں جلدی جلدی اپنے ٹھکانے پہنچا۔وہاں پہنچ کر جیب میں ہاتھ ڈالا تو معلوم ہوا کہ جیب میں بڑا سا سوراخ ہے۔اشرفیاں راستے میں کہیں گر چکی تھیں۔اُلٹے پیر باہر نکلا تو دیکھا سامنے سے پولیس موبائل آرہی تھی۔پولیس کے ڈر سے میں واپس اپنے ٹھکانے پر چلا گیا۔صبح میں نے میدان میں بہت تلاش کیا، مگر اشرفیاں کہیں نہیں ملیں۔''ابو اتنا بتا کر خاموش ہو گئے۔

ثنا نے کہا: ''ابو وہ چور جھوٹ نہیں بول رہا۔''

''ہاں ابو جی! باجی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم دونوں جانتے ہیں اشرفیاں کہاں ہیں۔'' صبا نے ثنا کی بات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔

ان کے ابو کو شدید حیرت ہوئی کہ بچیاں کیا کہہ رہی ہیں، پھر دونوں نے کل صبح پیش آنے والے واقعے کی تفصیل بتائی۔انسپکٹر عمر فوراً دونوں کے ساتھ میدان میں اس جگہ پہنچے۔جھاڑیوں کے پاس دبی ہوئی دونوں نلکیاں مل گئیں۔انسپکٹر عمر نلکیاں لے کر تھانے پہنچے۔تھانے دار صاحب انسپکٹر عمر کی ایمان داری پر بہت خوش ہوئے۔انھوں نے بڑھیا کو بلوا کر نلکیاں اس کے حوالے کیں اور چور کو آئندہ چوری نہ کرنے کی نصیحت کر کے چھوڑ دیا۔

تھانے دار صاحب نے بچیوں کی ذہانت اور ایمان داری پر محکمے کی جانب سے دونوں کے سال بھر کے تمام تعلیمی اخراجات ادا کرنے کا وعدہ کرتے ہوئے انسپکٹر عمر کی تنخواہ میں اضافے کا بھی اعلان کیا اور انھیں تعریفی سند بھی عطا کی۔

☆☆☆

عظیم ماں

حمیرا سید

ہمدرد نونہال کے ساتھیو! آج ہم آپ کو ایک ایسے ممتاز ادیب کی عظیم ماں کی خوب صورت سچی کہانی سناتے ہیں، جنھوں نے اپنی پوری زندگی بچوں کی تعلیم و تربیت اور ان کی پرورش کے لیے وقف کردی۔ آج ان کی لایق فائق اور ہونہار اولاد دنیا میں باعزت طور پر زندگی گزار رہی ہے۔ پورا گھرانہ ادب کی خدمت کر رہا ہے۔ ان کے ایک صاحب زادے جناب مسعود احمد برکاتی ہیں، جو تریسٹھ سال سے قلم کے ذریعے نونہالانِ وطن کی ذہنی تربیت کے ساتھ ساتھ ان میں ملک سے محبت کا جذبہ پیدا کر رہے ہیں۔

ہمارے ایک سوال پر برکاتی صاحب نے اپنی والدہ محترمہ کے بارے میں بتایا کہ میں نے سید گھرانے میں آنکھ کھولی ہے۔ جب میں تقریباً ڈیڑھ برس کا تھا کہ میرے والد محترم کا اچانک انتقال ہوگیا۔ اکثر والدہ محترمہ سے والد کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ میری والدہ محترمہ کا نام سیدہ بشیر النساء ہے، جنھیں ہم بہن بھائی امی جان کہتے تھے۔ امی جان نے والد محترم کے انتقال کے بعد اپنی پوری زندگی ہم چار بہن بھائیوں کی پرورش کے لیے وقف کردی۔ وہ ہمیں کسی قابل بنانے میں پوری توجہ اور وقت صرف کرنے لگیں۔ امی جان کو نہ صرف سسرال میں دینی اور علمی ماحول ملا تھا، بلکہ ان کی تربیت بھی ایک خالص علمی خاندان میں ہوئی تھی۔ وہ ایک عالمِ دین اور حکیم کی بہو اور بیوی تھیں۔ ان کے والد محترم یعنی میرے نانا علامہ سید مختار احمد حیدر آباد دکن کے نامور دانشور اور

مصنف تھے۔ وہ بہت سادہ اور درویشانہ مزاج کے مالک تھے۔

میرے دادا جان علامہ حکیم سید برکات احمد تھے۔ میرے والد مولانا حکیم سید محمد احمد تھے، جو چھتیس برس کی عمر میں انتقال کر گئے۔ والد کو عوام و خاص محبت و عقیدت سے محمد میاں کہتے تھے۔ امی جان صرف اٹھائیس برس کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔

حمیرا! مجھے اب بھی یاد ہے کہ میں یا میرے بہن بھائی جب کوئی ایسی فرمائش کرتے، جس سے امیری کی بُو آتی تو امی جان حیثیت ہونے کے باوجود بھی ٹالنا چاہتیں اور کوشش کر کے ہمیں سادگی کی تلقین کرتیں۔ ہمیں بزرگوں کی سادگی و جفاکشی کے قصے سنا کر قناعت کی ترغیب دیتیں۔ امی جان میں سادہ مزاجی کے باوجود صفائی اور معیار کی بلندی کا ذوق تھا اور وہ یہی ہم بہن بھائیوں سے بھی چاہتی تھیں۔ بڑے بھائی صاحب مولانا حکیم محمود احمد برکاتی شہید بتاتے تھے کہ ابا جان کا انتقال ہوا تو سارا شہر رو رہا تھا، لیکن اس موقع پر امی جان کا صبر بے مثال تھا، وہ لوگوں کو صبر کی تلقین کر رہی تھیں۔ حدیثوں کے حوالے دے کر بات سمجھاتی تھیں۔

امی جان کی طبیعت میں لوگوں سے ہمدردی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان سے کسی کی تکلیف نہیں دیکھی جاتی تھی۔ وہ خود بیوہ ہو گئی تھیں، اس لیے بیوہ عورتوں سے بہت زیادہ ہمدردی کرتی تھیں۔ غریب بیواؤں کی لڑکیوں کی شادی میں ان کی پوری مدد کرتی تھیں، بلکہ بعض صورتوں میں تو وہ شادی کا تمام خرچ خود ہی اُٹھاتی تھیں۔ امی جان نے بعض طالب علموں کے وظیفے بھی باندھ رکھے تھے۔

میں اور مجھ سے بڑے بھائی سید اختر احمد برکاتی پاکستان کی محبت میں ضد کر کے خاندان سے پہلے ہی پاکستان آ گئے۔ ہم نوعمر تھے۔ امی جان اور بڑی بہن سیدہ کنیز فاطمہ اور بھائی صاحب مولانا حکیم سید محمود احمد برکاتی وہیں ہندستان میں رہے۔ چار سال سے زیادہ عرصہ امی جان نے ہم دونوں بھائیوں کی جدائی میں گزارا۔ ہمارے ہندستان چھوڑنے اور پاکستان چلے آنے کی وجہ سے وہاں کی حکومت نے انھیں بہت پریشان کیا اور کافی مسائل کھڑے کیے۔ اِدھر ہم دونوں بھائی پاکستان آ کر بہت پریشان ہو گئے۔ فقر و فاقہ تک نوبت پہنچ جاتی تھی۔ امی جان نے ہمیں ہمیشہ یہی لکھا کہ بیٹا! چاہے تم مزدوری کر لینا، لیکن کسی کے احسان مند نہ ہونا۔ کسی عزیز سے قرض نہ لینا، کسی ایسے شخص پر جس پر ہمارے خاندان کے احسانات ہوں، اپنی پریشان حالی ظاہر نہ کرنا، رزق حلال کے لیے کسی کام کو بُرا نہ سمجھنا۔

ابا جان کے انتقال کا صدمہ ہمت سے برداشت کرنے والی امی جان نے دونوں بھائیوں کی جدائی کا بھی بڑی ہمت اور اُمیدوں سے مقابلہ کیا۔ آخر نقصانات اور پریشانیوں کی پروا کیے بغیر وہ سب پاکستان آ گئے۔ یہاں آنے کے چند سال بعد اختر بھائی بھی بیمار ہو کر ان کو جدائی کا صدمہ دے گئے۔ اختر بھائی کا انتقال ۱۹۵۸ء میں ہوا۔ امی جان نے اس حادثے کو ربِ دو جہاں کی مرضی کہا اور صبر و تحمل سے کام لیا۔ میری ماں سچی مومن تھیں۔ صبر و ضبط کی پُتلی تھیں۔ وہ ہر حال میں راضی بہ رضا رہیں۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک بار ہماری کھانا پکانے والی ملازمہ بیمار ہو گئیں۔ امی

جان نے اپنی ایک عزیزہ کو جو کہ مالی طور پر پریشان تھیں، اپنے گھر بلا کر رکھ لیا۔ وہ ہمارے گھر کھانا پکانے لگیں۔ امی جان بھی ان کے ساتھ کھانا پکانے میں لگ جاتی تھیں۔ اس نیت سے کہ ان کی عزیزہ کو یہ خیال نہ ہو کہ میں ان کے گھر نوکر ہوں اور یہ مالکہ ہیں۔ ان کو کھانا بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاتیں۔ میں بہت چھوٹا تھا، ایک بار دسترخوان پر ان کو بیٹھے دیکھ کر کہہ دیا کہ میں نوکروں کے ساتھ کھانا نہیں کھاؤں گا۔ امی جان نے ایک چپت رسید کیا اور فرمایا کہ یہ بات آئندہ تمھارے منھ سے نہ سنوں۔

حمیرا! مجھے اچھی طرح یاد ہے، امی جان ہمیشہ ایک دعا مانگا کرتی تھیں کہ اللہ تعالیٰ انھیں رمضان المبارک میں اپنے پاس بلالے۔ میرے والد کا انتقال ۲۷ رمضان المبارک کو ہوا تھا۔ اماں جان (دادی) کی وفات بھی رمضان المبارک ہی میں ہوئی تھی۔ ۸۲ برس کی عمر میں امی جان بیمار پڑیں۔ اتفاق سے رمضان المبارک ہی کا مہینا تھا۔ اس عرصے میں ایک جاننے والی خاتون عمرہ کرنے جا رہی تھیں۔ امی جان نے ان سے کہا کہ حرم شریف میں میرے لیے دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ مجھے جلد بلالیں، تاکہ میں رمضان المبارک کی برکتوں سے محروم نہ رہ جاؤں۔ اگلا رمضان المبارک کون دیکھے گا۔ ان خاتون نے امی جان کی ہدایت کے مطابق ان کا پیغام پہنچا دیا۔

اللہ رب العزت نے ان کے دل کی یہ آرزو پوری کر دی اور وہ ۲۷ رمضان المبارک چھے جون ۱۹۸۶ء بروز جمعہ اپنے مالکِ حقیقی کے پاس پہنچ گئیں۔ ☆

تصویر خانہ

محمد وسیم الحسن اور اذان ونو، حویلی لکھا

فضاء فاروق، غریب آباد

محمد اعمیش علی، باغ کورنگی

سمعیہ وسیم، سکھر

محمد امیر حمزہ ساغر، میانوالی

حذیفہ حسن، کراچی

حسان وہاب، لیاقت آباد

نونہال مصور
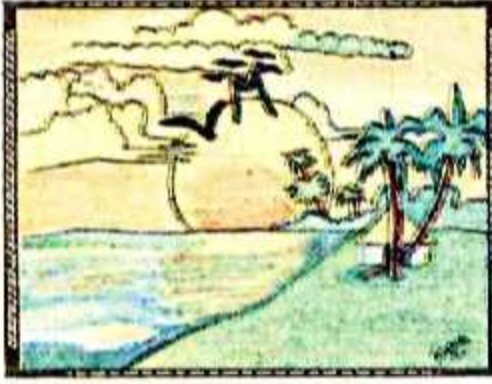
طوبیٰ فاروق حسین شیخ، شکارپور

سعدیہ مقصود، شکارپور کالونی

فہد فدا حسین کیریو، بلوچ کالونی

پاکیزہ حسین، حیدرآباد
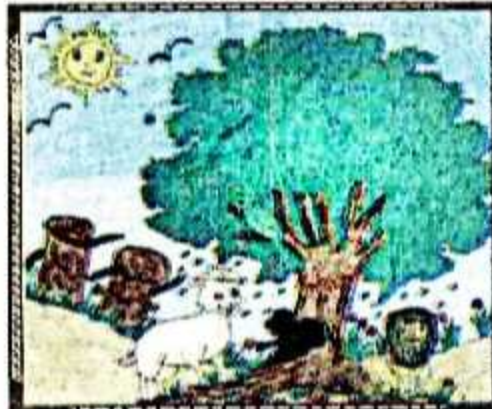
اریبہ انصاری، کراچی

مریم لاثانی گوجر خان

شبانہ اکرم، لاہور کینٹ

سید عبدالمعز ناصر، ملیر ہالٹ

سیدہ رامین عظام، اورنگی ٹاؤن

حافظ فصیح احمد، بفرزون

بہادر حیدر علی بلوچ، کنڈیارو

امان اللہ فاروقی، راولپنڈی

رویشہ اعظم، لانڈھی

نونہال®
گرائپ واٹر
اب نئے ڈیزائن اور جدید SAFE پیکنگ میں
پہلے سے زیادہ مقدار میں
ہمدرد
Naunehal®
Gripe Water
175
HERBAL GRIPE WATER
CHILDREN'S FAVOURITE GRIPE WATER

جن زادے کا تحفہ

سید وجاہت علی
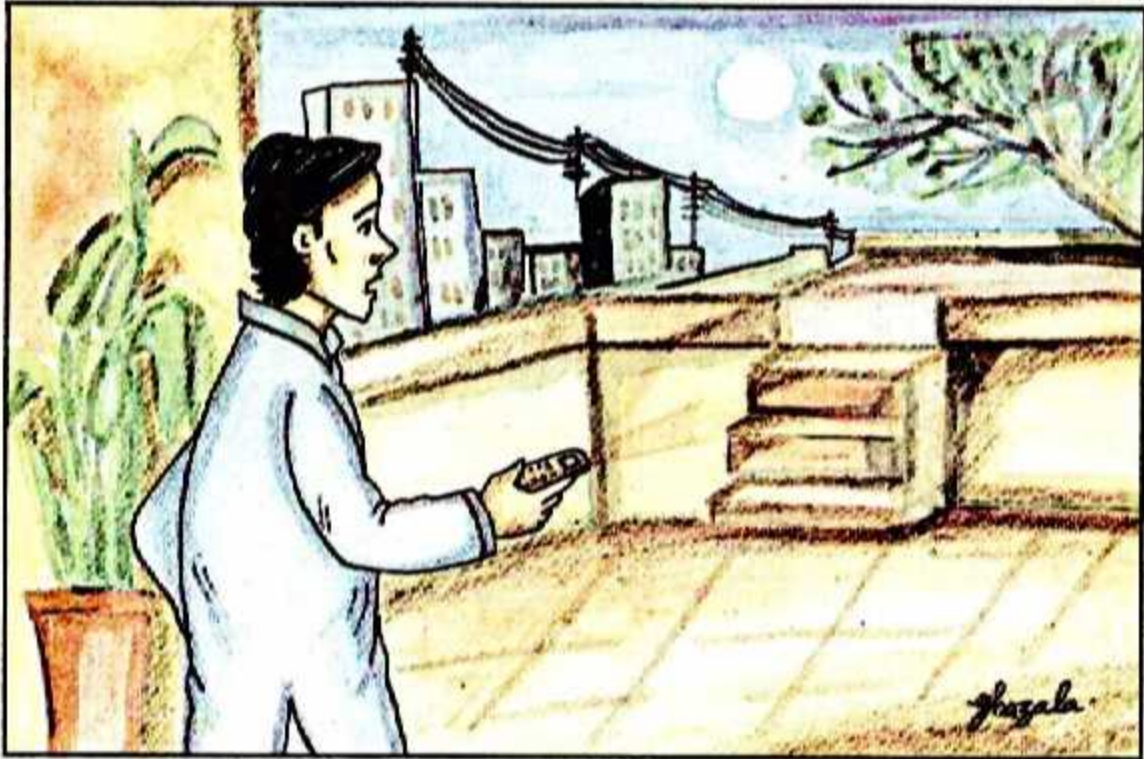
وہ منظر بڑا خوف ناک اور رونگٹے کھڑے کر دینے والا تھا۔ میرے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور ایک سرد لہر پورے وجود میں اوپر سے نیچے تک دوڑ گئی تھی۔

مئی کی شروع تاریخیں تھیں اور گرمیوں کی وجہ سے سب پریشان تھے۔ لوڈ شیڈنگ بھی جاری تھی۔ شام کے وقت سے صبح تک چھت پر موسم خوش گوار ہوتا تھا۔ میں ان دنوں اپنی نانی کے گھر آیا ہوا تھا۔ امتحان دے کے فارغ ہوا تھا اور ذہنی طور پر تازہ دم ہونے کے لیے کراچی سے حیدر آباد چلا آیا تھا۔

اُس رات میں صحن میں سو رہا تھا کہ تقریباً ڈیڑھ بجے میری آنکھ کھلی۔

برابر میں لیٹے اپنے کزن کاشف کو دیکھا۔ وہ بدستور سو رہا تھا۔ میں نے موبائل ٹارچ آن کی اور زینہ چڑھ کر چھت پر قدم رکھا۔ اُس وقت کوئی بھی وہاں نہیں تھا، کیوں کہ رات گیارہ بجے لائٹ آنے کے بعد سب اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔ چھت پر قدم رکھتے ہوئے میری نظر چھت کی مُنڈیر پر پڑی تو وہاں کا منظر دیکھ کر میں دھک سے رہ گیا۔

چھت کی مُنڈیر پر دو لڑکے کراٹے لڑ رہے تھے۔ دونوں نے کراٹے کا مخصوص سفید لباس پہن رکھا تھا۔ وہ بڑی مہارت اور بہادری سے لڑ رہے تھے۔ یہ تین منزلہ عمارت کی مُنڈیر تھی۔ کوئی انسان کا بچہ جسے اپنی ہڈیاں تڑوانے اور جان سے جانے کا شوق نہ ہو، تین منزلہ عمارت کی مُنڈیر پر کراٹے لڑنے یا اُچھل کود کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر وہ دونوں کون تھے؟ یقیناً کوئی جن بھوت تھے۔ ایک لمحے کے لیے تو میں سوچ میں پڑ گیا، لیکن جب وہ دونوں کراٹے چھوڑ کر میری جانب دیکھنے لگے تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا، جیسے میرے جسم سے خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ اُن کے چہرے عجیب سے تھے۔ وہ میری جانب دیکھ کر قہقہے لگانے لگے اور مجھے محسوس ہوا کہ دہشت کی وجہ سے میرا دل باہر سینے سے آ جائے گا۔ میں نے بھاگنا چاہا تو ان میں سے ایک گونجتی ہوئی آواز میں بولا: ''آؤ...... ہمارے ساتھ کراٹے لڑو......''

میں نے سن رکھا تھا کہ عموماً جنات میں شرارت کا مادہ نسبتاً زیادہ ہوتا ہے اور اگر وہ جن زادے تھے تو شاید وہ اس وقت میرے ساتھ بھی شرارت کرنا چاہتے تھے۔

اس لمحے مجھے بھی نہ جانے کیا ہوا کہ میں مشینی انداز میں چلتا ہوا آگے آیا اور جست لگا کے مُنڈیر پر چڑھ گیا۔ یہ یقیناً خودکشی کے برابر تھا، لیکن اس وقت شاید میں اپنے
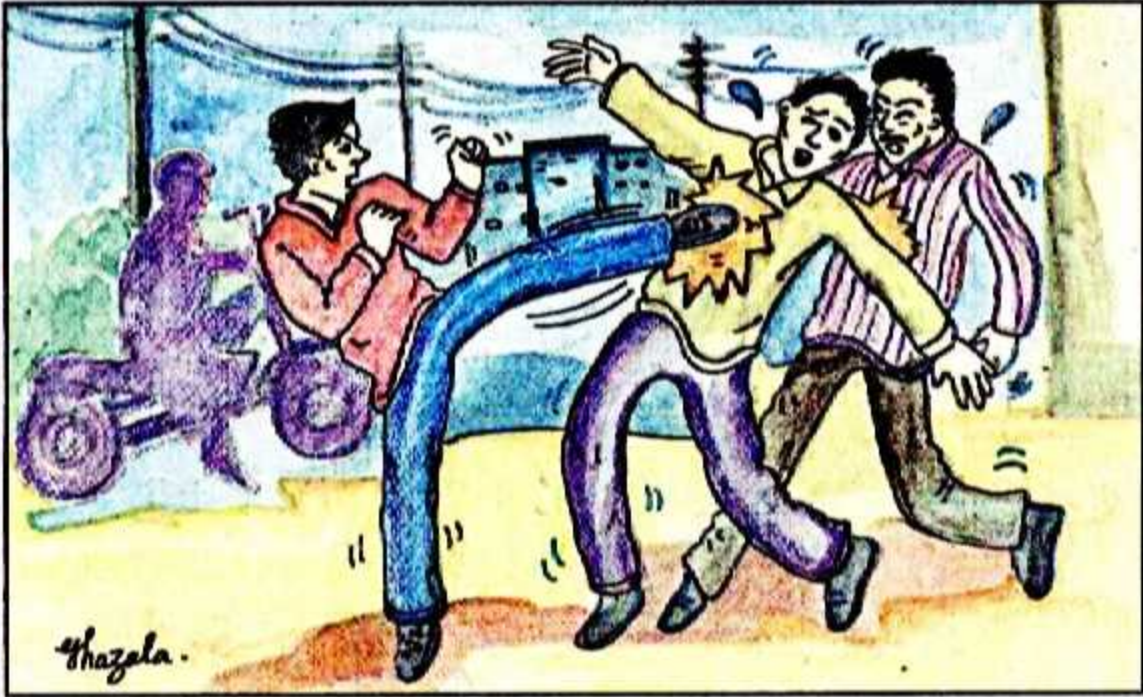
آپ میں ہی نہ رہا تھا۔ ایک ایسا روبوٹ سا بن گیا تھا جو ریموٹ کنٹرول سے چلتا ہے، مگر اس سے پہلے کہ کھیل شروع ہوتا، میرے ذہن میں ایک جھٹکا سا ہوا اور جیسے مجھے ہوش آ گیا۔ میں آیت الکرسی کا ورد کرنے لگا اور چھلانگ لگا کے نیچے اُتر آیا اور تیزی سے زینے کی طرف بڑھا۔ دونوں میں سے کسی نے مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی، لیکن ان کے وحشت ناک قہقہے جاری تھے۔ میں نے زینے پر قدم رکھا تو ایک اور حواس کھو دینے والا منظر سامنے تھا۔ سیڑھیوں پر سے ان ہی کی طرح کا ایک اور لڑکا کراٹے کے سفید لباس میں چھت کی جانب آ رہا تھا۔ مجھے نیچے کی جانب جاتا دیکھ کر وہ بولا: ''کہاں جا رہے ہو پیارے؟''

اس کی آواز میں بھی ایک گونج اور دہشت سی تھی، لیکن میں اسے نظر انداز کرتا ہوا پاگلوں کی طرح اور بہت تیزی سے اس کے برابر سے گزرتا ہوا، دو دو سیڑھیاں

بیک وقت پھلانگتا زینے سے نیچے آ گیا۔ مجھے اس طرح جاتا دیکھ کر وہ بھی ان دونوں کی طرح ہنسنے لگا اور اُن کے قہقہے مجھے اپنے پیچھے آتے محسوس ہوئے۔ آسمان پر ایک کے بعد ایک آتے جاتے ہلکے بھورے بادل ان بادلوں کی اوٹ میں چھپتا جھانکتا چاند اور عجیب و غریب مخلوق کے خوف ناک قہقہے...... بڑا دہشت ناک ماحول تھا۔

میں نیچے کمرے میں پہنچ کر رکا۔ سانس بُری طرح پھول رہی تھی۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے میں میلوں کا سفر دوڑتے ہوئے طے کر کے آیا ہوں۔ اس دوران میرا کزن کاشف جاگ اُٹھا۔ وہ میری اس کیفیت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔

''کیا ہوا شعیب!'' کاشف نے تعجب سے پوچھا: ''تم ہانپ کیوں رہے ہو......؟''

''وہ...... وہ...... چھ...... چھت...... چھت پر......'' بس میرے منھ سے اتنا ہی نکل سکا اور میں چکرا کے گر پڑا۔ میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

ہوش میں آیا تو سب میرے اردگرد جمع تھے اور اُن کی سوالیہ نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔

''کیا ہوا بیٹا شعیب!'' تم نے کیا دیکھا ہے چھت پر......''

''وہ...... وہ چھت پر...... وہاں دو لڑکے...... تت...... تین لڑکے......'' مجھ سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ مجھے اپنا جسم جلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ شاید بخار چڑھ گیا تھا۔

''چھت پر تو کچھ نہیں ہے بیٹا!'' سب سے بڑے ماموں نے مجھے دلا سا دیا: ''ہم دیکھ آئے ہیں چھت پر کچھ بھی نہیں ہے شعیب بیٹا!''

میں نے انھیں دھیرے دھیرے ساری بات بتائی تو اُن سب کی فکر اور خوف میں اضافہ ہوگیا۔ اگر چہ وہ سب اس واقعے کو میرا وہم ہی قرار دے رہے تھے اور کئی بار چھت پر جا کر دیکھ آئے تھے۔ اُن میں سے کسی نے وہاں کچھ نہیں دیکھا تھا۔ سب نے مجھے بھی دوبارہ چھت پر چلنے کے لیے کہا، تا کہ میرا وہم دور ہو جائے، لیکن میں نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد دو دن تک میں بخار میں مبتلا رہا۔ بخار اُترا تو میں مزید وہاں نہیں رُکا اور اپنے گھر کراچی آ کر اپنے معمولات میں مصروف ہوگیا۔ کچھ دن میں اس واقعے کو بھول گیا، لیکن پھر ایک روز ایک حیرت انگیز بات ہوگئی۔ اس رات میں اپنے دوست وقار کے گھر سے واپس آ رہا تھا۔ اگر چہ وقار نے مجھے گھر تک چھوڑنے کی پیش کش کی تھی، لیکن مجھے اسے زحمت دینا اچھا نہیں لگا۔

گھر تک پندرہ منٹ کا راستہ تھا۔ میں جلدی پہنچنے کے خیال سے اس راستے پر مڑ گیا، جہاں لوگوں کی آمد و رفت کم ہوتی تھی۔ روشنی کا کوئی خاص انتظام نہیں تھا۔ سڑک اس وقت سنسان ہی تھی۔ کہیں کہیں روشنی نظر آ رہی تھی۔ جب میں آدھا راستہ طے کر چکا تو ایک موٹر سائیکل کی آواز آنے لگی۔ وہ میری ہی سمت آ رہی تھی۔ میں چلتا رہا۔ موٹر سائیکل میرے برابر میں آ کر رکی۔ اس پر تین لڑکے سوار تھے۔ پیچھے دو لڑکوں کے ہاتھوں میں ریوالور تھے، جو انھوں نے بڑی تیزی سے میرے پہلو میں لگا دیے تھے۔

اب ساری صورتِ حال واضح ہو چکی تھی۔ وہ راہ گیروں کو لوٹنے والے لٹیرے تھے اور میرے ساتھ بھی وہ یہ ہی سب کچھ کرنا چاہتے تھے۔

ان میں سے ایک لڑکے نے میری جیبوں پر ہاتھ مارا اور بیچ میں بیٹھا شخص

درشت لہجے میں بولا: '' جو کچھ ہے، خاموشی سے نکال دے، ورنہ ساری گولیاں اُتار دوں گا تیرے جسم میں......''

لیکن پھر اگلے لمحے جو کچھ ہوا، وہ بہت عجیب تھا۔

اس وقت مجھ میں نہ جانے کس طرح ایک توانائی سی بھر گئی اور یہ خیال میرے دل میں پختہ ہو گیا کہ میں کراٹے جانتا ہوں اور وہ تینوں میرے ایک ہاتھ کی مار ہیں۔

میں اچانک اوپر اُچھلا اور میری دونوں لاتیں ان دونوں کے سینوں پر پڑیں۔ یہ ان کے لیے قطعی غیر متوقع حادثہ تھا۔ ان تینوں لٹیروں کو یہ گمان تک نہیں گزرا ہو گا کہ دو ریوالور برادروں کی موجودگی میں کوئی اس طرح مزاحمت کرے گا۔ وہ بوکھلا ہی گئے۔ ریوالوران کے ہاتھوں سے نکل کے زمین پر گر گئے تھے اور وہ دونوں بھی موٹر سائیکل کی دوسری طرف لڑھک گئے تھے۔ یہ دیکھ کر پہلے لڑکے نے جو موٹر سائیکل چلا رہا تھا، اپنا ریوالور نکالنے کی کوشش کی، لیکن میں نے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے اس کی گدی پر وار کیا اور بائیں ہاتھ سے وہ ریوالور جھپٹ لیا، جسے نکال کر وہ مجھ پر فائر کرنا چاہتا تھا۔ اتنے میں وہ دونوں سنبھل چکے تھے اور اپنے ریوالوروں کی طرف لپک رہے تھے۔ یہ دیکھ کر میں نے ان کے ساتھی کو اُٹھا کر ان پر دے مارا۔ اس سے قبل مجھ میں اتنی طاقت نہیں تھی، لیکن اس وقت نہ معلوم کس طرح اتنی قوت اور مہارت آ گئی تھی کہ میں خود اپنے آپ پر حیران ہو رہا تھا۔ میں نے پیر کی ٹھوکر سے دونوں ریوالوران کی پہنچ سے دور کر دیے اور اپنے ہاتھ میں موجود ریوالوران پر تان لیا۔

'' اب تمھیں پتا چلے گا بدنصیبوں......'' میں نے ان تینوں کے ایک ایک لات

جماتے ہوئے کہا۔ وہ تینوں اب کچھ کرنے کی حالت میں نہیں تھے۔ حیرانی، پریشانی اور خوف کی کیفیت میں مجھے دیکھ رہے تھے۔

''اللہ کی مخلوق کو لوٹتے ہو، ناحق پریشان کرتے ہو...... اُٹھو...... چلو تھانے۔ اب تھانے دار تمھارا بھرتا بنائے گا اور اگر تھانے دار نے تمھیں چھوڑ دیا تو میں تمھاری چٹنی ضرور بنا دوں گا۔''

''بھائی! ہمیں معاف کر دو......'' وہ گھگھیائے: ''ہمیں معاف کر دو...... ہم سے غلطی ہو گئی۔ ہم اب کسی کو نہیں لوٹیں گے۔ ہمیں چھوڑ دو بھائی!''

''اب معافی مانگ رہے ہو، چھوڑنے کی التجا تو وہ لوگ بھی کرتے ہوں گے، جن کی حلال کی کمائی تم لوٹتے ہو، لیکن اس وقت تمھیں ان پر ترس نہیں آتا۔ اب تم پھنس گئے ہو۔ اُٹھو...... ورنہ گولی چلا دوں گا۔''

چار و ناچار وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

میرے لیے حیرت انگیز بات یہ تھی کہ میں یکا یک کراٹے کا ماہر کیسے بن گیا تھا؟ اس وقت جس مہارت سے میں نے لٹیروں کا مقابلہ کیا تھا وہ اس شخص کے لیے ناممکن تھا، جو کراٹے کی الف بے بھی نہ جانتا ہو اور حقیقت یہی تھی کہ نہ مجھے زندگی میں کراٹے کا کوئی شوق رہا تھا، نہ کبھی میں نے یہ فن سیکھا تھا۔ یہ سوال کہ مجھے خود بہ خود کراٹے لڑنا کیسے آ گیا، بڑی انوکھی بات تھی۔ اس چھت والے واقعے سے پہلے میری ایک آدھ بار لڑائیاں ہوئی تھیں، جن میں مجھے شکست ہوئی تھی، لیکن اس واقعے کے بعد میں یکا یک لڑائی بھڑائی کے اس کھیل کا ماہر بن گیا تھا۔ کیا اس حیرت انگیز واقعے کا تعلق اس رات

والے واقعے سے تھا جب میرا ٹکراؤ ان تین غیر انسانی لڑکوں سے ہوا تھا؟

ان لٹیروں سے نمٹنے کے بعد میں نے کچھ لوگوں سے جو کراٹے کے فن سے نہ صرف واقف تھے، بلکہ مثالی حد تک مہارت بھی رکھتے تھے، نبرد آزمائی بھی کی۔ انھوں نے تین دفعہ مجھ سے مقابلہ کیا اور تینوں دفعہ وہ ہار گئے، یعنی اُن لٹیروں کو شکست دے دینا اتفاق نہیں تھا، بلکہ فی الحقیقت مجھے کراٹے کا فن آ گیا تھا۔ یہ میرے لیے ایک جن زادے کا تحفہ تھا۔ میرا اس غیر انسانی مخلوق سے ٹکراؤ اور اس کے بعد میرے اندر کراٹے لڑنے کی اہلیت پیدا ہو جانا بہت حیرت انگیز ہے اور یہ حیرت مجھے ہمیشہ رہے گی۔ ☆

بیت بازی

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

شاعر: علامہ محمد اقبال — پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

وہ ہمیں بھی یاد رکھیں جب لکھیں تاریخ گلشن کی
کہ ہم نے بھی لٹایا ہے چمن میں آشیاں اپنا

شاعر: جگر مراد آبادی — پسند: محمد اجمل شاہین انصاری، لاہور

بسائے جائیں جو دل سے، وہ گھر اُجڑتے نہیں
زمیں میں جن کی جڑیں ہوں، وہ پیڑ اُکھڑتے نہیں

شاعر: عالم تاب تشنہ — پسند: تحریم خان، نارتھ کراچی

کیا خاک وہ جینا ہے جو اپنے ہی لیے ہو
خود مٹ کے کسی اور کو مٹنے سے بچالے

شاعر: ساحر لدھیانوی — پسند: عائشہ شبیر راجپوت، نواب شاہ

کیا بھلا مجھ کو پرکھنے کا نتیجہ نکلا
زخمِ دل آپ کی نظروں سے بھی گہرا نکلا

شاعر: مظفر وارثی — پسند: عاقب خان جدون، ایبٹ آباد

میں جھوٹ بول کے دریا عبور کر جاتا
مجھے ڈبو دیا سچ بولنے کی عادت نے

شاعر: ظفر گورکھپوری — پسند: علی حیدر لاشاری، لاکھڑا

یہ بہار کا زمانہ، یہ حسیں گلوں کے سائے
مجھے ڈر ہے باغباں کو کہیں نیند آ نہ جائے

شاعر: ناکا نپوری — پسند: واجد گینوی، کراچی

ڈھونڈنے والے کو مل ہی جاتی ہے موجِ بہار
ہر گلستاں میں خزاں ہو، یہ ضروری تو نہیں

شاعر: عارف شفیق — پسند: ماہا ثاقب محمود، پنڈ دادن خان

کہانی آپ اُلجھی ہے کہ اُلجھائی گئی ہے
یہ عقدہ تب کھلے گا، جب تماشا ختم ہوگا

شاعر: افتخار عارف — پسند: مہک اکرم، لیاقت آباد

وہ بھی شاید رو پڑے ویران کاغذ دیکھ کر
میں نے اس کو آخری خط میں لکھا کچھ بھی نہیں

شاعر: ظہور نظر — پسند: سید ماہر علی ہاشمی، کورنگی

کس کرب میں ہجرت کی سزا کاٹ رہے ہیں
مٹی سے بغاوت کی سزا کاٹ رہے ہیں

شاعر: محسن چنگیزی — پسند: علیہ سلیم، رحیم یار خان

اگر سکون سے جینے کی بات کرتے ہو
تو دشمنوں کو نہیں، دوستوں کو پہچانو

شاعر: مظفر حنفی — پسند: عافیہ حامد، ملتان

غم بانٹنے کی چیز نہیں، پھر بھی دوستو!
اک دوسرے کے حال سے واقف رہا کرو

شاعر: محسن سوز — پسند: مقدس معراج، اسلام آباد

کوئی دیوار تو حائل تھی کہ ہم تم برسوں
ایک ہی گھر میں رہے پھر بھی شناسا نہ ہوئے

شاعر: مظہر امام — پسند: شائلہ ذیشان، ملیر

نونہال ادیب

لکھنے والے نونہال

محمد عدیل رشید، حیدر آباد — عبداللطیف چاچڑ، کشمور
کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری، کراچی — ارسلان اللہ خان، حیدر آباد
بجیل سعید، اسلام آباد — فارحہ میگھانی، کراچی
عائشہ ذوالفقار، کراچی — منیب احمد رندھاوا، سانگھڑ
محمد وقار الحسن، اوکاڑہ

عیدالفطر

محمد عدیل رشید، حیدر آباد

عیدالفطر ہمارا مذہبی تہوار ہے، جسے ہر سال یکم شوال کو دنیا کے تمام مسلمان انتہائی جوش و جذبے کے ساتھ مناتے ہیں۔ عیدالفطر دراصل رمضان المبارک کے روزے رکھنے کا انعام ہے۔ عید کا مزہ رمضان ہی کی وجہ سے ہے۔ جو بچے رمضان کے روزے رکھتے ہیں عید کی اصل خوشی اُن ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

عید کی نماز کے لیے عیدگاہ جانا اور نماز ادا کرنا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ عمدہ لباس پہننا، غسل کرنا اور خوشبو لگانا عید کے دن مسنون کام ہیں، جب کہ عیدالفطر کے موقع پر فطرہ ادا کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے۔

عید کی تیاریاں رمضان المبارک کی آمد کے ساتھ ہی شروع ہو جاتی ہیں جو چاند رات تک جاری رہتی ہیں اور پھر جیسے ہی عید کا چاند نظر آتا ہے، بچوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

عید کی سچی خوشی منانے کا سب سے بہترین طریقہ یہ ہے کہ اپنے رشتے داروں، پڑوسیوں اور غریب دوستوں کو اپنی عید کی خوشیوں میں شامل کرلیں۔ یہی عید کی سچی خوشی ہے۔

ہمارا قومی پرچم

کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری، کراچی

ہر آزاد ملک کا قومی پرچم ہوتا ہے، جو اس ملک کی آزادی، خودمختاری اور وقار کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ آزاد اور زندہ قومیں دل و جان سے اپنے پرچم کا احترام کرتی ہیں اور اس کی سربلندی کے لیے جان کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔

۱۹۴۷ء سے پہلے اس ملک پر انگریزوں کی حکومت تھی۔ ہم ان کی رعایا تھے۔ ہمارا اپنا کوئی پرچم نہیں تھا۔ بڑی جدوجہد اور بے شمار قربانیوں کے بعد ہمیں یہ آزاد وطن نصیب ہوا ہے۔ ہمارا پرچم ہماری آزادی کا نشان ہے، اس لیے اپنے پرچم کو بلند رکھنا اور اس کا احترام کرنا ہم سب کا فرض ہے۔

ہمارا قومی پرچم سبز اور سفید رنگ کا ہے۔ اس پرچم کا ڈیزائن قیامِ پاکستان سے چند روز قبل تیار کیا گیا تھا۔ ہمارے پرچم کا ایک چوتھائی حصہ سفید اور تین چوتھائی حصہ گہرے سبز رنگ کا ہے، جو اس بات کی علامت ہے کہ پاکستان میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور سفید حصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلم بھی آباد ہیں۔ پاکستان کے پرچم پر موجود ستارے کے پانچ کونے اسلام کے پانچ ارکان کو ظاہر کرتے ہیں۔ ۱۱-اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خاں نے اسے منظوری کے لیے دستور ساز اسمبلی کے سامنے پیش کیا تھا۔

قومی پرچم کے اُتارنے، لہرانے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے کچھ آداب ہیں۔ جن پر عمل کرنا ہم سب کا فرض ہے۔ عام دنوں میں قومی پرچم صبح سورج طلوع ہونے کے بعد کسی بھی وقت لہرایا جا سکتا ہے۔ البتہ سورج غروب

ہونے کے بعد پرچم کو لہرائے رکھنا اس کی بے حرمتی کے برابر ہے، اس لیے عام دنوں کے علاوہ خاص مواقع پر جب بھی پرچم لہرائیں تو اسے شام سے پہلے ضرور اُتار لیں۔ جب کبھی دوسرے ملک کے پرچم کے ساتھ اپنے قومی پرچم کو لہرایا جائے تو اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ دوسرے ملک کا پرچم ہمارے پرچم سے بلند اور نمایاں نہ ہو۔

گاڑی نامہ

جمیل سعید، اسلام آباد

گاڑیوں میں موٹر سائیکل، ٹرک، کار، بس، گدھا گاڑی سب ہی شامل ہیں۔ ان گاڑیوں کے بارے میں تفصیل درجِ ذیل ہے:

☆ موٹر سائیکل کو پرانے زمانے میں پھٹ پھٹی کہتے تھے۔ اس کے دو پہیے ہوتے ہیں، لیکن بعض نوجوان موٹر سائیکل کو ایک ہی پہیے پر چلا کر فخر محسوس کرتے ہیں۔ اگر چہ دو پہیوں پر بھی موٹر سائیکل چلانا ایک کمال کی بات ہے۔ ایک پہیے پر موٹر سائیکل چلانے کو ون ویلنگ کہتے ہیں۔ ون ویلنگ کرتے وقت ابا جی دیکھ لیں تو پھر یہ دو پہیوں پر چلنے لگتی ہے اور رفتار بھی دھیمی ہو جاتی ہے۔

☆ ٹرک، سڑک کی شان ہے۔ جب تک ٹرک نہ ہوں حادثات نہ ہوں۔ ٹرک والے دوسری گاڑیوں سے آگے نکلنے کے ماہر ہوتے ہیں اور عموماً سڑک کے بیچ میں چلتے ہیں، تاکہ کوئی اور انھیں اوور ٹیک نہ کرے۔ ٹرک جو سفر پانچ دن میں کرتا ہے وہ عام گاڑی پانچ گھنٹوں میں کرتی ہے۔ ٹرک والے بڑے سُست ہوتے ہیں۔ ٹرک چلانے سے بھی زیادہ کمال کی بات اس پر چڑھنا ہے۔ ٹرک کی سیٹ عموماً کافی اوپر ہوتی ہے۔ ٹرک چلانے والوں کی نظریں ہمیشہ جھکی ہوئی نظر آتی ہیں، کیوں کہ وہ نیچے دیکھ دیکھ کر مستقل جھک جاتی ہیں۔

☆ بس عموماً ہر جگہ پائی جاتی ہے۔ بس کے نہ آگے رہنا مناسب ہے اور نہ پیچھے۔ بس جب رکتی ہے تو ایسا لگتا ہے کہ بس نہیں رکی، بلکہ دوسرے لوگ رکے ہوں، کیوں کہ جب بس رکتی ہے تو پیچھے والی سب گاڑیوں کو روک دیتی ہے۔ بس والوں کو عموماً چیزیں کم ہی نظر آتی ہیں۔ جب کوئی چیز ان کی بس کے نیچے سے گزر جائے تب انھیں پتا چلتا ہے کہ وہ کسی چیز پر سے گزرے ہیں اور جب وہ نیچے اُتر کر دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں: ''اوہ! یہ تو کوئی آدمی ہے۔''

☆ کاریں اب نئے ماڈل کی آرہی ہیں۔ جب نئی گاڑی خرید کر گھر لائی جاتی ہے تو اتنی دیر میں ایک اور نئی گاڑی مارکیٹ میں آجاتی ہے۔ نئی کار خریدنے والا یہ سمجھتا ہے کہ اس سے زیادہ کوئی امیر نہیں اور جب وہ کار پرانی ہو جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ ان سے زیادہ کوئی غریب نہیں۔ اگر گاڑی بریک لگانے کے باوجود نہ رکے تو گاڑی سے چھلانگ لگا دینی چاہیے، ہوسکتا ہے کہ آپ بچ جائیں۔

☆ رکشا تین پہیوں والی ایک عجیب و غریب چیز ہے۔ اگر آپ کے گھر کے پاس مکمل سکون ہو تو سمجھیں کہ آج رکشوں کی ہڑتال ہے۔ جب رکشا چلتا ہے تو رکشے والا اسے جٹ طیارہ سمجھتا ہے۔ اس طیارے میں بیٹھ کر انتہائی تنگ جگہوں سے بھی گزر جاتا ہے۔ جب آپ کے اردگرد شور ہو تو سمجھ جائیں کہ یہ رکشے کا شور ہے۔

☆ **گدھا گاڑی** ایک ایسی چیز ہے جسے آگے سے قدرت نے اور پیچھے سے انسان نے بنایا ہے۔ اگر گدھا گاڑی کو ہٹانے کے لیے ہارن بجایا جائے تو گدھا گاڑی بجائے ہٹنے کے وہیں رک جاتی ہے۔ کبھی کبھی گدھے کے ساتھ اس کا ایک شاگرد بھی ہوتا ہے۔

آج کل نئی طرز کی گاڑیاں نظر آرہی ہیں۔ ان نئی گاڑیوں کے ساتھ نئی خرابیاں بھی ہیں۔ گاڑیوں کا زیادہ استعمال بھی مناسب نہیں ہے۔ پاکستان میں تیل اور گیس کی کمی ہے، لہٰذا ہمیں چاہیے کہ گاڑیوں کا استعمال کم کریں۔ بائیسکل چلائیں اور صحت بنائیں۔

اولمپکس

عائشہ ذوالفقار، کراچی

اولمپک کھیل ایک ایسا موقع ہے جب دنیا بھر کے کھلاڑی اپنی اپنی صلاحیتیں آزماتے ہیں اور اپنی بہترین کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہر چار سال کے بعد منعقد کیے جاتے ہیں۔ اولمپکس کے انعقاد کے لیے ہر مرتبہ کسی نئے ملک کے ایک شہر کو منتخب کیا جاتا ہے۔

اولمپکس کے جھنڈے کا رنگ سفید ہوتا ہے جس کے درمیان پانچ دائرے بنے ہوتے ہیں۔ اوپر کی جانب تین دائرے نیلے، کالے اور لال رنگ کے ہوتے ہیں، جب کہ نیچے کے دو دائرے پیلے اور ہرے رنگ کے ہوتے ہیں۔ یہ پانچوں دائرے پانچ براعظموں یعنی یورپ، امریکا، آسٹریلیا، ایشیا اور افریقا کی نمائندگی کرتے ہیں۔

یہ جھنڈا پہلی مرتبہ یونان کے شہر ''الیگزینڈریا'' میں لہرایا گیا تھا۔ ہر اولمپکس کی اختتامی تقریب میں میزبان شہر کا میئر یہ جھنڈا آئندہ ہونے والے اولمپکس کے میزبان شہر کے میئر کو پیش کر دیتا ہے، یوں یہ جھنڈا اگلے اولمپکس تک لہراتا رہتا ہے۔

تازہ ہوا

عبداللطیف چاچڑ، کشمور

مثل مشہور ہے کہ جان ہے تو جہان ہے۔ زندگی کا ہر کام کرنے یا خوش گوار زندگی گزارنے کے لیے صحت کو سب پر اولیت حاصل ہے۔ ایک صحت مند فرد روزمرہ کے تمام معاملات بخوبی انجام دے

سکتا ہے۔ جب کہ بیمار آدمی کوئی بھی کام کرنے میں ہچکچاتا ہے۔ صحت مند رہنے کے لیے صاف ستھری اور تازہ ہوا سب سے اہم ہے۔شہروں سے دور دیہاتی زندگی گزارنے والے افراد اس انمول نعمت سے مالا مال ہوتے ہیں، کیوں کہ دیہاتوں میں درخت بہت زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں۔ ان درختوں سے آکسیجن کا اخراج زیادہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ دیہاتوں میں ہوا تازہ اور وافر مقدار میں پائی جاتی ہے، اس لیے وہاں کے لوگ شہریوں کے مقابلے میں زیادہ چست اور صحت مند رہتے ہیں۔

شہر کے رہنے والے بھی اس تازہ ہوا سے فائدے اُٹھا سکتے ہیں۔اس کے لیے بس ایک ہی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ شہروں میں درختوں کی تعداد کو بڑھایا جائے۔کارخانوں وغیرہ کو آبادی سے دور منتقل کر دینا چاہیے، تا کہ شہری بھی اس انمول نعمتِ خداوندی سے فائدہ اُٹھاسکیں۔

کتاب کی اہمیت

ارسلان اللہ خان، حیدرآباد

اس میں کوئی شک نہیں کہ موجودہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے۔اس جدید دور میں کتابوں کی جگہ کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور موبائل نے لے لی ہے۔یہ جدید سائنسی آلات ہی اب معلومات حاصل کرنے کا آسان ذریعہ سمجھے جاتے ہیں، یہاں تک کہا جاتا ہے کہ آنے والے دور میں کاغذ کی ضرورت بھی نہیں رہے گی۔ کاغذ، قلم اور کتاب محض نام کے ہی رہ جائیں گے،لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی جو بچے رسالے اور کتابیں باقاعدگی سے پڑھتے ہیں وہ اپنے دیگر ہم عمر بچوں کے مقابلے میں زیادہ تہذیب یافتہ ہوتے ہیں۔ان کی زبان میں شائستگی اور نرمی ہوتی ہے، وہ بہت باادب

ہوتے ہیں۔ وہ تمیز دار ہوتے ہیں۔
ماہنامہ ہمدرد نونہال جیسے رسالے آہستہ آہستہ بچوں کی شخصیت اس احسن طریقے سے نکھارتے ہیں کہ ان کی شخصیت کے تعمیری پہلو سامنے آتے ہیں، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ بچوں کے مزاج میں ہی اچھائی اور نیکی سما جاتی ہے اور پھر وہ زندگی میں کبھی بُری عادتوں اور سرگرمیوں کو جگہ نہیں دیتے، کیوں کہ وہ ان سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ کتابوں اور رسائل کا مطالعہ کرنے والے بچے معاشرے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ نئی ایجادات کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن کتابیں بچوں کی تربیت میں جو اہم کردار ادا کرتی ہیں اس کا کوئی ثانی نہیں ہوسکتا۔ کتابوں سے حاصل کیا جانے والا علم دل میں راسخ ہو جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے انسان میں سوچنے، سمجھنے، پڑھنے، لکھنے اور بولنے کی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔

آج ہمارے بڑوں کو بھی چاہیے کہ وہ خود بھی کتب بینی میں دل چسپی لیں اور بچوں کو بھی ان کی عمر کے حساب سے ان کی پسندیدہ کتابیں دلائیں، تاکہ کتاب سے ہمارا رشتہ مضبوط ہو سکے، کیوں کہ کتابیں علم، حکمت، دانائی، شعور اور آگہی کے حصول کا بہترین ذریعہ ہیں۔

بُری عادت

فارحہ میگھانی، کراچی

''انور! کہاں ہو؟ اِدھر آؤ۔'' امی جان نے بلند آواز سے پکارا۔

''جی امی!'' انور بولا۔

''بیٹا! میں تمھاری نانی کے گھر جا رہی ہوں۔ مجھے بازار سے خریداری کرنی ہے۔ گھر کو اندر سے بند رکھنا اور اگر کوئی آئے تو بڑا دروازہ بھی نہیں کھولنا۔''

''امی! آپ حبیبہ کو تو لے کر جا رہی

ہیں نا؟'' انور بولا۔

'' ہاں ہاں لے کر جا رہی ہوں۔ اللہ حافظ۔'' اور امی چلی گئیں۔

ناصر صاحب ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے۔ ان کی آمدنی بہت اچھی تھی۔ ان کا بیٹا انور اور بیٹی حبیبہ تھی۔

اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ دو پہر کے تین بجے کون آ گیا۔ امی تو نہیں ہوں گی۔ انور سو رہا تھا۔ اس نے کھڑکی سے جھانکا تو باہر دو عورتیں کھڑی تھیں۔

''جی فرمایئے کس سے ملنا ہے آپ کو؟''

'' بیٹا! یہ ناصر صاحب کا گھر ہے نا۔ مجھے کچھ امداد کی ضرورت ہے۔ وہ پہلے بھی میری مدد کر چکے ہیں۔ دروازہ کھول دو نا۔'' ایک عورت بولی۔

انور کا دل پسیج گیا۔ اس نے فوراً دروازہ کھول دیا۔ جب وہ دونوں عورتیں اندر آئیں اور برقع اُتارا تو انور کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ دو جوان آدمی تھے۔ انھوں نے انور کے ہاتھ رسیوں سے باندھے اور منھ پر ٹیپ چپکا دیا، پھر کمرے میں الماریوں کے لاکرز توڑ کر زیورات بیگ میں بھرے اور بھاگ گئے۔

شام کو جب امی گھر آئیں تو انور کو بندھا دیکھ کر حیران ہو گئیں۔ اسے کھولا اور ساری بات معلوم ہوئی۔ پھر انور سے کہا:
'' انور! میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ دروازہ نہیں کھولنا۔ بیٹا! بڑے جو کہتے ہیں وہ ٹھیک کہتے ہیں اور اس میں کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے۔ اللہ نہ کرے اگر وہ تمھیں گولی مار کر چلے جاتے تو ہمارے آنے تک خدا جانے کیا ہو جاتا۔ چلو اب آئندہ ایسا نہیں کرنا۔''

'' سوری امی! مجھے معاف کر دیں۔''

انور نے آئندہ اپنی امی کی ہر بات ماننے کا عہد کر لیا۔

تین انعام

منیب احمد رندھاوا، سانگھڑ

''اژدہا تمباکو کارپوریشن'' اپنی گولڈن جوبلی کے موقع پر ہر عمر کے تمباکو نوشوں کے لیے ایک عظیم الشان قرعہ اندازی کا اعلان کرتی ہے، جس میں ہر عمر کے تمباکو نوشوں کے لیے انعام حاصل کرنا یقینی ہے۔

تمام تمباکو نوشوں کے لیے مندرجہ ذیل بڑے انعامات میں سے ایک انعام حاصل کرنے کا شان دار موقع۔

☆ پہلا انعام: پھیپھڑوں اور منھ کا کینسر، دل کی رگوں کی سختی کی بیماری، ہائی بلڈ پریشر اور خون کی رگوں کی سختی۔

☆ دوسرا انعام: ٹونسل، گلے اور سانس کی نالیوں کی بیماری، دمہ اور منھ کے اندر حساس جھلی کا انفیکشن۔

☆ تیسرا انعام: مسوڑھوں کی سوجن، گلہڑ، دائمی نزلہ اور سر کا درد۔

اس کے علاوہ آپ کئی ایک خصوصی انعامات بھی جیت سکتے ہیں۔ مثلاً دانتوں کے اوپر ٹارٹر کی میلی تہ، سانس کی بدبو، داغ دار دانت، بھوک کی کمی۔

یاد رکھیں، جتنا زیادہ تمباکو اور گٹکا استعمال کریں گے، اتنے ہی آپ کے جیتنے کے مواقع زیادہ ہوں گے۔ ہمارے شان دار انعامات آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ ہی ان میں سے کوئی انعام جیتنے والے ہمارے اگلے بدنصیب گاہک ہوں۔

جلدی کریں اور کچھ ہی عرصے میں قریبی اسپتال سے اپنے انعام کی تفصیل معلوم کریں۔ یہ پیش کش لامحدود مدت کے لیے ہے۔ مزید تفصیلات کے لیے تمباکو اور گٹکے کی دکانوں سے رجوع کریں۔

حیدر علی آتش

محمد وقار الحسن، اوکاڑہ

حیدر علی آتش، غزل کہنے والے شاعر تھے۔ اصل نام حیدر علی اور آتش تخلص تھا۔ وہ فیض آباد میں ۱۷۷۸ء میں پیدا ہوئے۔ وہ عربی اور فارسی زبان پر دسترس رکھتے تھے۔ ان کے مزاج میں دور بینی، قناعت اور بے نیازی تھی۔ جب وہ بہت چھوٹے تھے تب ان کے والد وفات پا گئے۔ ان کی تمام زندگی غربت اور پریشانیوں میں گزری۔ حیدر علی آتش کی شاعری میں کئی کیفیات پائی جاتی ہیں۔

دہلی میں جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد تباہی پھیلی ہوئی تھی۔ وہاں کے لوگوں کی جان کو خطرہ تھا۔ کوئی اگر شام کو امیر ہوتا تو صبح کو وہ غریب ہو جاتا تھا۔

دہلی کے شاعر اپنی شاعری میں الفاظ کے معانی و مفہوم پر زور نہیں دیتے تھے، بلکہ گہرائی پر زور دیتے تھے۔ حیدر علی آتش پہلے دہلی میں رہتے تھے پھر بعد میں وہ کسی وجہ سے لکھنؤ چلے گئے۔ دہلی کے برعکس لکھنؤ میں اس وقت امن تھا۔ لوگ بہت سکون سے رہ رہے تھے۔ لکھنؤ کے لوگوں میں پیسے کی فراوانی تھی۔ لکھنؤ کے شاعر اپنی شاعری میں اچھے الفاظ کے چناؤ پر زور دیتے تھے۔ حیدر علی آتش کی شاعری میں دہلی اور لکھنؤ کا امتزاج ہے۔

آتش کے کلام میں اچھائی اور خوب صورتی پائی جاتی ہے۔ یہ چوں کہ پہلے دہلی میں رہتے تھے، بعد میں لکھنؤ چلے گئے تھے۔ اسی وجہ سے دونوں جگہ کے شعرا کی خوبیاں آتش کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔

آتش کی شاعری میں قلندرانہ انداز، تغزل، آتش بیانی، معاشرے کی عکاسی اور سادگی موجود ہے۔ انھوں نے ۱۸۴۷ء میں وفات پائی۔ ☆

صحت مند نونہال ــــ صحت مند مستقبل

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی معروف معالج، سماجی راہنما اور چیئرمین پاکستان گرین ٹاسک فورس، محترم ڈاکٹر جمال ناصر تھے۔ معروف براڈ کاسٹر، اسکالر اقبالیات اور رکن شوریٰ ہمدرد محترم نعیم اکرم قریشی نے بھی خصوصی شرکت کی۔ اس بار موضوع تھا: ''صحت مند نونہال ــ صحت مند مستقبل''

اسپیکر اسمبلی نونہال عامرہ حفیظ تھیں۔ تلاوتِ قرآنِ مجید و ترجمہ مجتبیٰ ذوالفقار اور ساتھی طالب علم نے پیش کیا۔ حمدِ باری تعالیٰ ارسلان شوکت نے، فرمانِ رسولِ مقبولؐ اور ہدیہ نعت ساتھی نونہالوں نے پیش کیا۔ نونہال مقررین میں حسام سعید، اروما شہزاد، فہیم اختر، عائشہ اسلم اور مائرہ نور شامل تھے۔

قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے نونہالوں کے نام اپنے پیغام میں کہا کہ باشعور قومیں جو اپنے مستقبل کو اپنے حال سے بہتر دیکھنے کی آرزومند ہوتی ہیں، اس کے لیے باقاعدہ منصوبہ بندی کرتی ہیں۔ ان منصوبوں میں وہ اپنے نونہالوں اور نوجوانوں کی ذہنی اور جسمانی صحت کو بہترین حالت میں رکھنے کے لیے رات دن کوشاں رہتی ہیں۔ اس ضمن میں پاکستان کی صورتِ حال بہت تکلیف دہ ہے۔ نئی نسل جسمانی صحت کے ساتھ ساتھ ذہنی صحت سے بھی محروم ہوتی جا رہی ہے، جس کے مظاہرے ہم آئے دن اپنے اطراف میں دیکھ رہے ہیں۔ جرائم کی تیزی سے بڑھتی ہوئی شرح کہیں ان محرومیوں کا نتیجہ تو نہیں؟

جن نونہالوں کو خوراک اور تعلیم کی سہولت آسانی سے حاصل ہے، وہ ان نعمتوں پر

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں محترم ڈاکٹر جمال ناصر، محترم نعیم اکرم قریشی اور نونہال مقررین

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔ شکر ادا کرنے کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی صحت کا بے حد خیال رکھیں اور ہر قسم کی مضرِ صحت غذا اور غیر صحت مند مشاغل سے پرہیز کریں۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے آس پاس موجود ایسے نونہالوں کے مددگار بنیں جو صحت، تعلیم اور اچھی خوراک سے محروم ہیں۔ پاکستان کا مستقبل صحت مند نونہالوں سے ہی محفوظ ہوگا۔

محترم نعیم اکرم قریشی نے کہا کہ صحت مند جسم ہی صحت مند ذہن کا حامل ہوتا ہے۔ ذہن صحت مند ہوگا تو سوچ اور گفتار درست اور وہ خود تن درست ہوں گے۔

مہمانِ خصوصی محترم ڈاکٹر جمال ناصر نے نونہالوں کو تلقین کی کہ وہ روز رات سوتے وقت اپنا محاسبہ کریں اور یہ سوچیں کہ آج ان کی ذات سے کسی کو کیا فائدہ پہنچا۔ آج کل ہمارے یہاں کہا جاتا ہے کہ وہ شاگرد نہیں رہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اساتذہ بھی نہیں، جو دن رات اپنے طالب علموں کے ساتھ محنت کرتے تھے۔

اس موقع پر نونہالوں نے ایک پُر اثر خاکہ بھی پیش کیا۔ آخر میں انعامات تقسیم کرنے کے بعد دعائے سعید پڑھی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور .... رپورٹ : سید علی بخاری

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں ماہرِ صحت ڈاکٹر امتیاز علی نے کہا کہ والدین اور اساتذہ کو

چاہیے کہ توجہ سے نونہالوں کی ذہنی واخلاقی تربیت کریں تاکہ بچے اپنے یونی فارم، کپڑے، اسکول، اکیڈمی، کلاس روم، واش روم اور اپنے کمرے کی صفائی کا خاص خیال رکھیں۔ کولڈ ڈرنکس، جنک فوڈ، گلے سڑے پھلوں سے بچیں۔ اس کے ساتھ ساتھ پانی اُبال کر استعمال کریں۔ پرہیز اور احتیاط ہمیں بہت سی بیماریوں سے بچا سکتی ہے۔ نونہالوں کو لیپ ٹاپ، ٹیبلٹ اور موبائل کے بے جا استعمال سے بھی روکیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمارا دین ہمیں صفائی کا درس دیتا ہے اگر ہم پانچ وقت

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں محترم ڈاکٹر امتیاز علی اور نونہال مقررین

کی نماز کی پابندی کریں تو بے حیائی، گندگی اور کئی بیماریوں سے بچ سکتے ہیں۔

نونہال مقررین میں دعا منصور، ناعمہ فیاض، شیزا گوہر، جمنی اسلم، سماء نور، طیبہ رزاق، ملائیکہ صابر اور نوریا بابر شامل تھے۔ نونہال مقررین نے کہا کہ صحت مند رہنا انسانی زندگی کا پہلا اور بنیادی حق ہے، وہ تمام چیزیں جن پر انسان فخر کر سکتا ہے، تن درستی سے حاصل ہوتی ہیں۔ تن درست افراد صحت مند معاشرہ تشکیل دیتے ہیں۔ تاریخ کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان ہی قوموں نے سربلندی اور عظمت حاصل کی، جو صحت مند اور تن درست افراد پر مشتمل تھیں۔ اسمبلی کے اختتام پر مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے کلامِ اقبال، خاکہ اور دعاے سعید پیش کی۔ ☆

بلاعنوان انعامی کہانی

پیر نوید شاہ

پرانے زمانے کی بات ہے کہ ایک بادشاہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ جنگل میں شکار کھیل رہا تھا۔ وہاں گھومتے پھرتے، باتیں کرتے ہوئے بادشاہ اور وزیر میں بحث چھڑ گئی۔ بادشاہ نے کہا کہ علم بڑی چیز ہے، جب کہ وزیر نے کہا کہ عقل بڑی چیز ہے۔ اس بات پر دونوں نے شرط لگالی اور طے پایا کہ وزیر کے بیٹے عزیز مرزا کو کچھ مدت کے لیے قید میں ڈال دیا جائے گا، جب کہ بادشاہ کے بیٹے شہزادہ خرم کو مدرسے میں داخل کروادیا جائے گا۔ فیصلہ آنے والا وقت خود کرے گا کہ بادشاہ کی بات درست ثابت ہوتی ہے یا وزیر کی۔

اس باہمی فیصلے کے تحت وزیر کے بیٹے کو قلعے کے اندر قید کروادیا اور بادشاہ کے بیٹے کو مدرسے میں داخل کرادیا گیا۔ اب وقت گزرنے کا انتظار ہونے لگا۔ دھیرے دھیرے

وقت گزرتا گیا۔ بہت سے مہینے اور سال گزر گئے۔ دونوں بچے جوان ہو گئے۔

بادشاہ سلامت رعایا کی خبر گیری کے لیے بھیس بدل کر گھومتے تھے۔ ایک روز بادشاہ سلامت حسبِ معمول بھیس بدل کر رات کے وقت گشت پر تھے کہ ان کی نظر اپنے بیٹے پر پڑی، جو کہیں جا رہا تھا۔ بادشاہ سلامت تجسس سے مجبور ہو کر تعاقب کرنے لگے۔

اسی شہر میں موسیٰ نامی ایک بہت امیر سوداگر بھی رہتا تھا۔ اس کی بیٹی سکینہ نے اپنے والد سے کہا کہ وہ شادی کسی عقل مند نوجوان سے کرے گی، مگر پہلے وہ اس کا امتحان لے گی۔

سکینہ نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ باہر تجھے کوئی نوجوان مناسب لگے، اسے ساری بات بتا کر معلوم کر کہ کیا وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ وہ ہاں کر دے تو اسے اندر لے آ۔ میں تین طرح اس کا امتحان لوں گی۔ اگر وہ کام یاب ہو گیا تو میں اس سے شادی کر لوں گی۔ کنیز بہت سمجھ دار تھی۔ وہ مکان کے باہر کھڑی ہر گزرنے والے نوجوان کو غور سے دیکھ رہی تھی کہ اچانک شہزادہ خرم وہاں سے گزرا۔ اسے دیکھ کر کنیز خوش ہو گئی۔ وہ شہزادے کو پہچانتی تھی۔ وہ شہزادے سے باتیں کر کے اسے مکان میں لے گئی۔ بادشاہ سلامت بدستور تعاقب کر رہے تھے۔ انھوں نے جو بیٹے کو سوداگر کے مکان میں کنیز کے ساتھ جاتے دیکھا تو دنگ رہ گئے اور ماجرا معلوم کرنے کے لیے دروازے کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔

کنیز نے اندر جا کر شہزادہ خرم کو پوری بات بتائی تو اس نے ہنسی خوشی رضا مندی ظاہر کی۔ کنیز اسے بٹھا کے سکینہ کے پاس پہنچی اور اسے بتایا کہ اس نے شہزادے کو بٹھا رکھا ہے، وہ سوالات پوچھ سکتی ہے۔ سکینہ نے کنیز سے کہا کہ جو سوالات میں تمھیں بتاؤں وہ شہزادے تک پہنچا دینا۔ میں پردے میں رہوں گی۔ جواب بھی تم ہی مجھ تک پہنچانا:

سکینہ نے کنیز کو ایک پکا اور ایک کچا تربوز دیا اور پوری بات اسے سمجھا دی۔ کنیز دونوں تربوز لے کر شہزادے کے پاس پہنچی اور وہاں دیوار کے ساتھ کھڑی چارپائی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولی: ''اس چارپائی کو سیدھا کر کے رکھو اور اس پر بیٹھ جاؤ۔''

شہزادے نے تعمیل کرتے ہوئے چارپائی سیدھی کر کے رکھی اور بیٹھ گیا۔ کنیز نے دونوں تربوز اسے تھمائے تو وہ اس کے ٹکڑے کر کے کھا گیا۔ کنیز دوبارہ سکینہ کے پاس پہنچی تو اسے پانی سے آدھے بھرے دو گلاس دیے۔ ایک میں ٹھنڈا پانی تھا تو دوسرے میں گرم۔ کنیز نے دونوں ہی شہزادے کے حوالے کیے تو اس نے گرم پانی سے منھ ہاتھ دھویا اور ٹھنڈا پانی پی گیا۔ کنیز ایک مرتبہ پھر اندر گئی۔ اب کے واپس آئی تو عطر ساتھ میں لائی۔ اس نے عطر شہزادے کو دیا تو اس نے اپنے کپڑوں پر ذرا سا لگا کے باقی کنیز کو واپس کر دیا۔ یوں سکینہ کے تین سوالات مکمل ہوئے۔

سکینہ نے کنیز سے کہا کہ فیصلہ بعد میں بتا دیا جائے گا۔ اب وہ کسی اور آدمی کو ڈھونڈ کر لائے، تا کہ اس کی بھی آزمائش کر لی جائے۔ اُدھر بادشاہ سلامت چھپ کر مکان کے اندر ہونے والی کارروائی دیکھ بھی رہے تھے اور سن بھی رہے تھے۔ کنیز نے شہزادے کو رخصت کر دیا۔

اُدھر وزیر کا بیٹا عزیز مرزا قید میں تھا۔ ایک روز قید خانے کا دروازہ کھلا رہ گیا۔ اس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے عزیز مرزا بھاگ کھڑا ہوا۔ شہر میں پہنچ کر جو اس کا گزر سوداگر کے مکان کے سامنے سے ہوا تو کنیز نے اسے بلا لیا اور مقصد سے آگاہ کر کے اندر لے گئی۔ سکینہ کی ہدایات کے مطابق گزشتہ امتحان کی طرح اس کا بھی امتحان شروع ہوا۔ کنیز نے سب سے پہلے اسے چارپائی سیدھی کر کے بیٹھ جانے کو کہا۔

عزیز مرزا منھ بنا کر بولا: ''میں وزیر کا بیٹا ہوں۔ یہ کام غلاموں کے کرنے کے ہیں، چارپائی کو تُو خود نیچے رکھ دے۔''

کنیز نے خود ہی چارپائی سیدھی کر کے رکھی تب عزیز مرزا اس پر بیٹھا۔ پھر کنیز اندر سے دو تربوز اور چھری لے آئی۔ دونوں عزیز مرزا کے حوالے کیے، جس نے اچھی طرح جائزہ لیا کہ ایک تربوز کچا اور دوسرا پکا ہے۔ اس نے چھری سے دونوں تربوزوں کی ایک ایک قاش کاٹی، پھر کچے تربوز کی قاش پکے تربوز کے خالی حصے میں اور پکے کی قاش کچے کے خالی حصے میں پیوست کر کے دونوں تربوز چھری سمیت کنیز کو لوٹا دیے۔ اب باری ٹھنڈے اور گرم پانی کی تھی۔ کنیز پانی لے آئی تو عزیز مرزا نے دونوں پانی یکجا کر کے واپس کیے۔ آخر میں وہ عطر لے آئی تو اس نے زمین میں گڑھا کھودا اور عطر اس میں دبا دیا۔ کنیز اندر گئی اور پانچ منٹ کے بعد اس نے واپس آ کر عزیز مرزا کو خوش خبری سنائی کہ جوابات درست ثابت ہوئے اور سکینہ اس کے ساتھ شادی

کرنے کے لیے رضامند ہے۔ یوں ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ عزیز مرزا حسین و جمیل، مال دار بیوی پا کر بہت خوش تھا۔ بادشاہ سلامت نے عزیز مرزا پر لگی پابندی ختم کر دی تھی۔

اپنے بیٹے اور وزیر کے بیٹے کے ساتھ پیش آنے والے یہ واقعات بادشاہ سلامت کو پریشان کرتے رہے۔ وہ سوچنے لگے کہ شہزادہ خرم اچھی تعلیم و تربیت کے باوجود آزمائش میں ناکام ہوا اور عزیز مرزا کم علم ہوتے ہوئے بھی کام یاب......تو آخر کیوں؟

جب بادشاہ کی بے قراری کم نہ ہو سکی تو انھوں نے ایک روز اپنے دربار میں دونوں نوجوانوں کو طلب کیا۔ دربار امرا، وزرا اور رعایا سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ بادشاہ سلامت نے تمام واقعات بیان کرنے کے بعد پہلے شہزادہ خرم سے وضاحت چاہی تو وہ اپنی کم عقلی کے باعث بات واضح نہ کر سکا، جب بادشاہ سلامت نے عزیز مرزا سے دریافت کیا تو اس نے بڑے فخر سے کہا: "سب جانتا ہوں، مگر بتاؤں گا نہیں۔"

اس جواب کی کسی کو توقع نہ تھی۔ سب ہکا بکا رہ گئے کہ آخر عزیز مرزا بات بتانے سے انکار کیوں اور کس لیے کر رہا ہے۔

بادشاہ سلامت نے بتانے کے لیے بڑا اصرار کیا، مگر وہ نہ مانا تو بادشاہ سلامت طیش میں آ گئے، انھوں نے اسے پھر قید کروا دیا اور حکم دیا: "اس ضدی لڑکے کو کل سرِ عام پھانسی دی جائے گی۔"

یہ بات پورے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ جب سکینہ تک یہ بات پہنچی تو وہ بھی سٹ پٹا گئی۔ اس نے اپنی کنیز کو فوراً دال اور دودھ تھمایا اور عزیز مرزا تک پہنچانے کی ہدایت کی۔

عزیز مرزا کو شہر کے بیچ چوراہے پر بنے پھانسی گھاٹ پر لایا گیا، آخری خواہش معلوم کی گئی تو اس نے اپنی بیوی سکینہ سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی۔ اتنے میں کنیز وہاں آ پہنچی۔ اس نے عزیز مرزا کے پیروں میں دال گرائی اور پھر سر پر دودھ! دیکھنے والے لوگ اس انوکھے منظر پر ششدر رہ گئے کہ اس کا مطلب جانے کیا ہے۔ مگر عزیز مرزا فوراً بول اُٹھا: ''بادشاہ سلامت! میں اب آپ کو پوری بات بتانے کے لیے تیار ہوں، میں جانتا ہوں کہ آپ حقیقت جانے بغیر نہیں رہ سکتے، لہٰذا راز افشا کرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔''

بادشاہ سلامت یہ سن کر خوشی سے بولے: ''اجازت ہے، برخوردار! آخر چھپانے سے فائدہ بھی کیا۔''

''بس تو سب سن لیں۔ سوال نمبر ایک کے مطابق جب کنیز نے مجھے چارپائی سیدھی کرنے کا کہا تو میں سمجھ گیا کے میرے وقار، میری انا، میری حیثیت کو پرکھا جا رہا ہے، اس لیے میں نے کھرا جواب دیا اور یوں چارپائی میرے بجائے کنیز کو سیدھی کرنی پڑی۔ اس کے بعد مجھے کچا اور پکا تربوز ملا تو میں سمجھ گیا کہ خوشی و غم میں ساتھ نبھانے کے متعلق سوال ہے، سو میں نے ایک کی قاش دوسرے میں پیوست کر دی۔ مطلب یہ تھا کہ خوشی ہو یا غم ساتھ نبھاتا رہوں گا۔ دو گلاس ٹھنڈے گرم پانی کا مطلب بھی یہی تھا کہ زندگی کی دھوپ چھاؤں میں بھی ساتھ رہوں گا۔ جب کنیز میرے پاس عطر لائی تو میں اس کا مطلب بھی سمجھ گیا۔ میں نے عطر زمین میں دبا دیا۔ اس کا مطلب تھا کہ مر جاؤں گا، لیکن سکینہ کی بات کسی کو نہیں بتاؤں گا اور یہ راز سدا سینے میں محفوظ رکھوں گا۔ بس یہ ہی تھا اور تو کچھ نہیں۔''

''اوہ......'' بادشاہ سلامت کے منھ سے نکلا: ''اور یہ دال اور دودھ کا چکر کیا ہے؟

ذرا اس کی حقیقت بھی بتا دو۔''

''یہ سکینہ کی جانب سے اشارہ تھا کہ منھ سے بات نکال کر بادشاہ کے قدموں میں ڈال دوں اور جو بات ہے وہ دودھ کی طرح واضح کردوں، ورنہ ناحق مارا جاؤں گا، اس لیے آپ کو حرف بہ حرف سچ بتا دیا ہے۔ اب جو فیصلہ کریں گے میں قبول کروں گا۔''

وزیر زادہ عزیز مرزا خاموش ہوا تو بادشاہ سلامت نے دونوں جوانوں کی ذہانت کا موازنہ کیا، جس کے نتیجے میں عزیز مرزا کا پلڑا بھاری ثابت ہوا۔

بادشاہ سلامت نے فیصلہ سنایا کہ شہزادہ خرم اہلِ علم ہوتے ہوئے بھی کم عقل اور وزیر زادہ عزیز مرزا کم علم ہوتے ہوئے بھی دانا ثابت ہوا۔ اس نے یہ بھی ثابت کردیا ہے کہ بلاشبہ عقل بڑی ہوتی ہے محض علم پر تکیہ کرنے کی بجائے عقل سے بھی کام لینا چاہیے کہ اس کی بدولت بہت بڑے بڑے کام ممکن ہیں۔ بادشاہ سلامت نے اپنے وزیر کے سامنے شکست تسلیم کرتے ہوئے اس کے بیٹے کو اپنا مشیر مقرر کرلیا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۱۱۵ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-اگست ۲۰۱۴ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تاکہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جاسکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

😊 مولانا محمد علی جوہر کی طبیعت میں مزاح بہت تھا۔ وہ بات بات میں لطیفے پیدا کرتے تھے۔ ایک دن مولانا جوہر علی گڑھ میں کسی دوست کے گھر میں بیٹھے شریفے کھا رہے تھے اور شریفے کے بیج صحن میں پھینکتے جا رہے تھے۔ ایک دوست نے کہا: ''اس طرح تو پورے صحن میں شریفے اُگ جائیں گے۔''

مولانا نے کہا: ''اچھا ہے نا، شریفوں کی یہاں کمی بھی بہت ہے۔''

مرسلہ : ناجیہ وسیم، کراچی

😊 ڈاکٹر (نرس سے): ''وہ کنجوس مریض اب کس بات پر ناراض ہو رہا ہے؟''

نرس: ''وہ کہتا ہے کہ دوائیں ختم ہونے سے پہلے ٹھیک کیوں ہو گیا ہوں؟''

مرسلہ : مریم لاثانی، گوجر خان

😊 ایک دوست نے دوسرے سے پوچھا: ''تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ جو کلاس میں نیا طالب علم آیا ہے، وہ بے وقوف ہے؟''

دوسرے دوست نے کہا: ''جب استاد نے پڑھانے کے بعد بورڈ پر لکھا ہوا مٹا دیا تو اُس نے بھی اپنی کاپی پر لکھا ہوا سب مٹا دیا۔''

مرسلہ : علینہ وسیم، کراچی

😊 راشد: ''تم نے پیروں میں رسی کیوں باندھی ہے؟''

اسلم: ''خودکشی کرنے کے لیے۔''

راشد: ''مگر خودکشی تو رسی کو گلے میں ڈال کر کرتے ہیں۔''

اسلم: ''پہلے وہیں ڈال کر دیکھی تھی، مگر گھٹن سی ہونے لگی۔''

مرسلہ : اریبہ انصاری، کراچی

😊 ایک امریکی سیاح سیر و سیاحت کرتا آگرہ پہنچا اور تاج محل کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے تاج محل کی خوب صورتی کی بہت تعریف کی۔ آخر میں بولا: ''میں انتہائی حیران ہوں کہ شاہ جہاں امریکی

امداد کے بغیر اتنی شان دار اور حسین وجمیل عمارت بنانے میں کیسے کام یاب ہوگیا؟''

مرسلہ : سعد ہارون جٹ وسیر، حویلی لکھا

ماہرِ نفسیات: ''مبارک ہو، آپ کا علاج مکمل ہوگیا ہے، اب آپ بالکل ٹھیک ہیں۔''

مریض: ''کیا فائدہ! آپ کے علاج سے پہلے میں ملک کا صدر تھا، اب ایک عام آدمی ہوں۔''

مرسلہ : جوادالحسن، لاہور

شوہر نے بیوی کے سامنے بے تحاشا قہقہے لگاتے ہوئے کہا: ''اپنے حمید صاحب کی بیگم بھی بہت بھولی ہیں۔ ہم کرکٹ کوچ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے۔ ہماری بات سن کر پوچھنے لگیں کہ کوچ کے تین پہیے ہوتے ہیں یا چار؟''

یہ کہہ کر وہ ایک بار پھر بے تحاشا قہقہے لگانے لگے۔ ان کی بیوی بھی قہقہوں میں شریک ہوگئیں۔ دونوں میاں بیوی جب دل کھول کر ہنس چکے تو بیوی نے شوہر کے کان میں سرگوشی کی: ''اچھا تو کرکٹ کوچ میں کتنے پہیے ہوتے ہیں؟''

مرسلہ : عائشہ شبیر راجپوت، نواب شاہ

ایک ڈاکٹر نے آدھی رات کو اپنی بیوی کو جگایا اور کہا: ''اسپتال میں ایمرجنسی ہے، اس لیے مجھے اسپتال جانا ہوگا۔''

بیوی بولی: ''کبھی تو کسی کو اپنی موت آپ مرنے دیا کریں۔''

مرسلہ : سعید نیاز بخاری، ملتان

استاد (علی سے): ''اپنے ابو کا نام بتاؤ۔''

علی: ''CNG۔''

استاد: ''کیا مطلب؟''

علی: ''چودھری نعیم گجر۔''

مرسلہ : ہمایوں طارق، ملتان

ایک کم عقل شخص اسپتال میں چینی سیاح کی عیادت کے لیے گیا۔ چینی نے کہا: ''چنگ پنگ پانگ۔'' اور یہ کہہ کر مر گیا۔

کم عقل شخص سمجھا کہ کسی خزانے کا راز مجھے بتا کر مر گیا ہے۔ وہ اپنی ساری جائداد بیچ کر چین چلا گیا۔ وہاں جا کر جب اس

نے ان الفاظ کا مطلب معلوم کیا تو پتا چلا کہ اس کا مطلب تھا: "بے وقوف! آکسیجن کے پائپ سے پیر ہٹاؤ۔"

مرسلہ : اسرٰی خان، کراچی

😊 والد (بیٹے کے ہاتھ سے رپورٹ کارڈ لیتے ہوئے): "نالائق! کہیں کے، ہر مضمون میں فیل۔ ایک ہم تھے جو ہر مضمون میں اول آتے تھے۔ آج کل کے بچوں کو تو پڑھائی کی لگن ہی نہیں ہے۔"

بیٹا: "ابو! یہ آپ ہی کی رپورٹ کارڈ ہے جو الماری سے صفائی کرتے ہوئے ملی ہے۔"

مرسلہ : نام پتا نامعلوم

😊 ایک بچہ اپنی امی کو تنگ کر رہا تھا کہ میں کیسے پیدا ہوا۔ آخر تنگ آ کر اس کی ماں نے کہا: "ایک دن میں نے گھڑا لیا، اس میں مٹی اور پانی ڈالا اور زمین کے اندر دبا دیا۔ کچھ دن کے بعد میں نے اسے نکالا تو اس میں تم تھے۔"

بچے نے بھی اسی طرح گھڑا لیا۔ اس میں مٹی اور پانی ڈالا اور زمین کے اندر دبا دیا۔ کچھ دن کے بعد اسے نکالا تو اس میں ایک مینڈک تھا۔ اس نے کہا: "دل تو چاہتا ہے کہ تجھے گولی ماردوں، مگر کیا کروں تُو میری اولاد ہے۔"

مرسلہ : عرشیہ نوید، کراچی

😊 ساحل سمندر پر ایک صاحب نے دوسرے سے کہا: "جناب اپنے بیٹے کو روکیے وہ میرے ہیٹ میں پانی بھر رہا ہے۔"

ان صاحب نے کہا: "جو آپ کے ہیٹ میں پانی بھر رہا ہے وہ تو میرا بھانجا ہے، میرا بیٹا تو وہ ہے جو آپ کے کوٹ کی جیبوں میں ریت بھر رہا ہے۔"

مرسلہ : اسماء زیب عباسی، ملیر ہالٹ

😊 ایک اداکار اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا: "کل رات اسٹیج پر میری اداکاری دیکھ کر تماشائیوں کے منھ کھلے کے کھلے رہ گئے۔"

ایک دوست بولا: "ناممکن! اتنے سارے تماشائی ایک ہی وقت میں کیسے جماہی لے سکتے ہیں؟"

مرسلہ : واجد نگینوی، کراچی

انعامی سلسلہ ۲۲۴

معلومات افزا

سلیم فرخی

معلومات افزا کے سلسلے میں حسب معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے گیارہ سے زیادہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ جوابات صحیح دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ جوابات صحیح دیں اور انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ اگست ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ جوابات کے کاغذ پر بھی اپنا نام پتا بہت صاف لکھیں۔ ادارہ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ راہ اسلام میں سب سے پہلے شہید حضرت .... تھے۔ (حارث بن نوفلؓ ۔ حارث بن ہشامؓ ۔ حارث بن ابی ہالہؓ)

۲۔ سورج نکلتے وقت جو نماز پڑھی جاتی ہے اسے .... کہتے ہیں۔ (نمازِ چاشت ۔ نمازِ اشراق ۔ نمازِ اوابین)

۳۔ روایت بیان کرنے والے کو .... کہتے ہیں۔ (قاری ۔ راوی ۔ حافظ)

۴۔ ترک عثمانیہ خلافت میں کل .... خلفا نے حکومت کی۔ (۳۰ ۔ ۳۳ ۔ ۳۶)

۵۔ پاکستان کا قومی ترانہ پہلی بار ۱۳۔ اگست .... کو ریڈیو پاکستان سے نشر ہوا۔ (۱۹۴۸ء ۔ ۱۹۵۱ء ۔ ۱۹۵۴ء)

۶۔ سردار عبدالرب نشتر پاکستان کے پہلے وزیر .... تھے۔ (مواصلات ۔ صنعت ۔ قانون)

۷۔ سابق وزیراعظم پاکستان محترمہ بے نظیر بھٹو ۲۱ جون .... کو پیدا ہوئی تھیں۔ (۱۹۵۳ء ۔ ۱۹۵۴ء ۔ ۱۹۵۵ء)

۸۔ اردو کے معروف شاعر .... کا اصل نام سید انور حسین تھا۔ (بہزاد لکھنوی ۔ آرزو لکھنوی ۔ صفی لکھنوی)

۹۔ جب پاکستان میں دن کے بارہ بجتے ہیں تو اٹلی میں صبح کے .... بجے کا وقت ہوتا ہے۔ (چھے ۔ سات ۔ آٹھ)

۱۰۔ "رباط" .... کا دارالحکومت ہے۔ (ملائیشیا ۔ مراکش ۔ قبرص)

۱۱۔ سیارہ .... نظام شمسی کا سب سے بڑا سیارہ ہے۔ (مریخ ۔ پلوٹو ۔ مشتری)

۱۲۔ پاکستان کی سپریم کورٹ کو اردو میں .... کہا جاتا ہے۔ (عدالت فوج داری ۔ عدالت عظمیٰ ۔ عدالت دیوانی)

۱۳۔ خمر عربی میں..........کو کہتے ہیں۔ (انگور ۔ شراب ۔ دہی)

۱۴۔ پرنٹنگ پریس سب سے پہلے..........میں گٹن برگ نامی شخص نے قائم کیا تھا۔ (اٹلی ۔ جرمنی ۔ جاپان)

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت ہے: ''چور کی..........میں تنکا'' (ناک ۔ داڑھی ۔ ڈاڑھ)

۱۶۔ مشہور شاعر حیدر علی آتش کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:

نہ گورِ سکندر، نہ ہے قبرِ دارا
مٹے..........کے نشاں کیسے کیسے

(بادشاہوں ۔ ناموروں ۔ نامیوں)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۲۴ (اگست ۲۰۱۴ء)

نام :______________________

پتا :______________________

____

____

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸۔ اگست ۲۰۱۴ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (اگست ۲۰۱۴ء)

عنوان :______________________

نام :______________________

پتا :______________________

____

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸ ۔اگست ۲۰۱۴ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ جون ۲۰۱۴ء کے بارے میں ہیں

بڑوں کی رائے

آپ کا خط مع ہمدرد نونہال موصول ہوا۔ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکر گزار ہوں۔ آپ نے اپنے خط میں ''بڑھا ساتھی'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ یقیناً ہمدرد نونہال کا میرے ساتھ بھی ایسا ہی تعلق ہے۔ یہ اعتراف کرتے ہوئے خوشی محسوس ہوتی ہے کہ عزت مآب شہید حکیم محمد سعید کی جانب سے جاری کردہ اس مجلے نے میری زندگی پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ کچھ یہی صورتِ حال ملک بھر کے بے شمار لوگوں کی ہے جو ہردم شہید حکیم محمد سعید کی اس کاوش پر انھیں خراج عقیدت اور آپ کی محنت پر آپ کو سراہتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دست بدعا ہوں کہ وہ شہید حکیم محمد سعید کے درجات کو اپنے ہاں بلند فرمائے اور آپ کو ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق اور اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین۔

ڈاکٹر سہیل حسن، ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی۔ بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد۔

● کہانیوں میں بابا امن کی آنکھیں کھول، امی جان، زندگی کا اُجالا، ایک جنگل کی کہانی، بابا چینا، عمارت نمبر ۳۲، وہ میری بیٹا نہیں ہے، بلاعنوان کہانی، بابائے سوئن اقتدار کے امیدوار خواست، ایک پانچ کا کھیل، جادو کی چھڑی، بندر یا بیگم، دیوی کی آنکھیں، اصل شہزادی، جاگ اُٹھا سردار، ایک ٹانگ کا بادشاہ، وفادار ہاتھی اور دادی کی باتیں زبردست اور خوب، بلکہ خوب صورت تھیں۔ صبا عبدالغنی، کراچی۔

● خاص نمبر بہت شان دار تھا اور خاص نمبر کا تحفہ پا کر تو دل باغ باغ ہو گیا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، لیکن بیٹے کی قیمت، ایک جنگل کی کہانی، عمارت نمبر ۳۲ اور محنت کا پھل زبردست تھیں۔ ماحیہ سعید، سید شفیق حسین، راولپنڈی۔

● جون کے خاص نمبر میں مجھے جنگل بات، جاگو بچاؤ، ظلم در بچے، دیوی کی آنکھیں بہت پسند آئیں۔ جواد الحسن، لاہور۔

● کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ سب سے اچھی کہانی وفادار ہاتھی (امیرا سعید) تھی۔ مسعود احمد برکاتی کی تحریر ''تہذیب کی ابتدا کب اور کہاں سے ہوئی'' معلومات سے پُر تھی۔ محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ کی تحریر ''امی جان'' بھی شان دار تھی۔ محمد حبیب الرحمن، کراچی۔

● خاص نمبر اپنی مثال آپ تھا۔ ہر تحریر شان دار تھی۔ بابا امن کی آنکھیں کھول اور زندگی کا اُجالا بہت زبردست تھیں۔ نظم ''یہ باتیں چھوڑو'' (شمیم فاطمہ) بہت اچھی لگی۔ اس مہینے کا خیال بھی بہت اچھا لگا۔ تسمیہ ادریس کھتری، کراچی۔

● جون کا خاص نمبر خاص نہیں، بلکہ خاص الخاص نمبر ہے۔ ایک ایک کہانی خاص ہے۔ ایک ایک مضمون خاص ہے۔ ایک ایک نظم خاص ہے۔ ایک ایک تحریر خاص ہے۔ ایک ایک تصویر خاص ہے۔ ایک ایک ورق خاص ہے۔ ایک ایک صفحہ خاص ہے۔ ایک ایک سطر خاص ہے، بلکہ ایک ایک لفظ خاص ہے۔ تو بتایئے جب اتنی چیزیں خاص ہوں تو پھر رسالہ خاص نمبر نہیں، بلکہ خاص الخاص بن جاتا ہے۔ علینہ شان، کاموکی۔

● تمام کہانیاں بہت پسند آئیں۔ نعتِ رسول مقبولؐ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ نعتِ رسولؐ ہر ماہ شروع میں شائع کیا کریں۔ تمام کہانیاں اچھی تھیں، مگر بیٹے کی قیمت (اشتیاق احمد) ناولٹ کچھ خاص نہیں تھا۔ محمد حامد رضا قادری، محمد ذیشان اکرم قادری، کاموکی۔

● خاص نمبر کی کہانیاں تو بہت ہی پیاری تھیں۔ حکیم شہید پاکستان کی یاد میں نظم اچھی تھی۔ ظلم در بچے اور ''ادھر اُدھر'' سے کے ساتھ ساتھ تمام کہانیاں بہت

اچھی تھیں، لیکن پیسے کی قیمت (اشتیاق احمد) اثر دکھانے میں ناکام رہی۔
محمد عثمان کاوری، کلاسوگی۔

● خاص نمبر زبردست تھا۔ ساری کہانیاں سپرہٹ تھیں۔ خاص طور پر بابا چیتا (رئیس فاطمہ)، عمارت نمبر ۳۲ (انوار آس محمد) تو بہت ہی بہترین تھی۔ علم در بیچے بھی اچھا تھا، لیکن ناولٹ زیادہ خاص نہیں تھا۔ انکل مجھے ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۶ء کا خاص نمبر چاہیے۔
مقدس غوری، کراچی۔

> خاص نمبر ۲۰۰۳ء اور ۲۰۰۶ء مل سکتے ہیں، مگر آپ نے اپنا پتا تو لکھا ہی نہیں۔ فون نمبر تک نہیں لکھا۔ دفتر ناظم آباد میں ہے، آ کر لیا جا سکتا ہے۔

● خاص نمبر محنت اور خاص کوششوں کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ نعتِ رسول مقبولؐ سے ایمان تازہ ہوا۔ بابا! اس کی آنکھیں کھول (حکیم محمد سعید)، امی جان (سعدیہ راشد)، زندگی کا اُجالا (مسعود احمد برکاتی)، ایک قتل کی کہانی (ڈاکٹر جمیل جالبی)، بابا چیتا (رئیس فاطمہ)، عمارت نمبر ۳۲ (انوار آس محمد) اور وہ میرا پتا نہیں ہے (ثمینہ پروین) بہترین کاوشیں ہیں۔ منال سرور کاوری، کلاسوگی۔

● خاص نمبر تو سپرہٹ تھا۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے، کم ہے۔ ابتدا میں نعتِ رسول مقبولؐ پڑھی تو ایمان تازہ ہو گیا۔ شہید پاکستان کی یاد میں اور گرمی پر تمام نظمیں بہت ہی پیاری تھیں۔ علم در بیچے، اِدھر اُدھر سے، میں وعدہ کرتی ہوں، بانسے سالن، محنت کا پھل اور روشنی پیدا کرنے والے جانور سمیت تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں، لیکن ناولٹ پیسے کی قیمت (اشتیاق احمد) کچھ خاص نہیں تھا۔ محمد صائم نواز کاوری، کلاسوگی۔

● سرورق سے لے کر آخری ورق تک تمام شمارہ آپ کی خاص محنت اور خاص کوششوں کا منھ بولتا ثبوت ہے۔ میں نے اس مرتبہ چودہ شمارے خرید کر تحفے میں اپنے شاگردوں اور دوستوں کو دیے ہیں۔ نعتِ رسول مقبولؐ سے ایمان تازہ ہوا۔ بابا! اس کی آنکھیں کھول (حکیم محمد سعید)، امی جان (سعدیہ راشد)، زندگی کا اُجالا (مسعود احمد برکاتی)، ایک قتل کی کہانی (ڈاکٹر جمیل جالبی)، بابا چیتا (رئیس فاطمہ)، عمارت نمبر ۳۲ (انوار آس محمد) اور وہ میرا پتا نہیں ہے (ثمینہ پروین) بہترین تحریریں ہیں۔ اس خاص نمبر کی خاص کہانی بلاعنوان کہانی (م۔ ندیم ملک) ہے۔ ناولٹ پیسے کی قیمت (اشتیاق احمد) اپنا اثر دکھانے میں ناکام رہا۔ حسن رضا سردار، کلاسوگی۔

● خاص نمبر پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ مشورہ، نئی زندگی، خاص نمبر، ایک پانچ کا سکہ، کہانیاں پسند بہت پسند آئیں۔ ناولٹ کچھ خاص نہیں تھا۔ محمد حاشر علی کاوری، کلاسوگی۔

● خاص نمبر واقعی خاص نمبر ہے۔ میری طرف سے تمام ٹیم کو بہت بہت مبارک باد۔ کہانیاں سب ہی زبردست تھیں۔ خاص طور پر بابا چیتا، عمارت نمبر ۳۲ اور وہ میرا پتا نہیں ہے۔ بلاعنوان کہانی، اصلی شہزادی اور ایک ٹانگ کا بادشاہ پہلے نمبر پر ہیں۔ محمد قمر افزماں، خوشاب۔

● سرورق بہت خوب صورت تھا۔ اشتیاق احمد کا ناول نمبر ون رہا۔ بلاعنوان کہانی بھی اچھی لگی۔ باقی تمام کہانیاں اور سلسلے بھی اچھے تھے۔ ربیعہ قیصر جمیل قیم ملتان۔

● جون کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ ہر کہانی زبردست تھی۔ لطیفے بہت اچھے تھے اور نونہال مصور تو بہت ہی زبردست تھے۔ انکل! آپ جن کہانیوں کے نام اشاعت سے معذرت میں ڈال دیتے ہیں تو کیا وہ کبھی بھی نہیں چھپتیں؟
امرل خان، کراچی۔

> اشاعت سے معذرت کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ تحریر چھپ نہیں سکے گی۔

● ہمدرد نونہال کا خاص نمبر واقعی بہت خاص تھا۔ جاگو جگاؤ، شہید حکیم محمد سعید نے واقعی جگا دیا۔ اور اس مہینے کا خیال بھی زبردست تھا۔ روشن خیالات پڑھنے سے ہمارا دماغ بھی روشن ہو گیا۔ بابا! اس کی آنکھیں کھول بھی زبردست تحریر تھی۔ جمیل جالبی کے بارے میں پڑھ کر معلومات میں جہاں اضافہ ہوا، وہاں یہ بات بھی پتا چلی کہ ہمارے جو محسنین ہیں ان کی محنت اور علم کے سمندر سے گہری وابستگی نے ہی ان کے نام کو روشن رکھا ہے۔ عمارت نمبر ۳۲، امی جان، میں وعدہ کرتی ہوں، ایک قتل کی کہانی، محنت کا پھل اور ناولٹ یہ تمام تحریریں بہت زبردست تھیں۔ روشنی پیدا کرنے والے جانور، ایک معلوماتی مضمون تھا۔ لطائف قہقہوں سے بھرپور تھے۔ نظمیں، اقوالِ زریں، اِدھر اُدھر سے، بلاعنوان کہانی غرض سب کچھ بہت زبردست تھا۔ حمیرا رحیم، کارساز، کراچی۔

● جون کا شمارہ تحفے کے ساتھ ملا تو بڑی خوشی ہوئی۔ چھٹیوں کی وجہ سے ہم نے تمام رسالہ جلد ہی ختم بھی کر لیا ہے۔ کہانیوں میں پیسے کی قیمت، بابا چیتا، زندگی کا اُجالا، عمارت نمبر ۳۲ اور وفادار ہاتھی بہت اچھی لگیں۔ زین خان، سرگودھا۔

● خاص نمبر واقعی خاص تھا۔ ساری کہانیاں بہت لاجواب تھیں۔ خاص کر کہانیوں میں تھانے دار کے نام ایک درخواست (گل نوخیز اختر)، جادو کی چھڑی (وقار محسن)، عمارت نمبر ۳۲ (انوار آس محمد) اور پیسے کی قیمت (اشتیاق احمد) یہ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ علینہ وسیم، کراچی۔

● خاص نمبر جب ہمارے ہاتھوں میں آیا تو ہم خوشی سے پھولے نہ سمائے۔

سرورق بہت ہی جاذبِ نظر تھا۔ کہانیوں میں بیٹے کی قیمت، بابا چیا اور بلاعنوان کہانی معیار کی اعلا بلندیوں پر فائز تھیں۔ تسنیم خاں حکیم کی "صحبِ رسول مقبول" ہمارے دل کی گہرائیوں میں اُتر گئی۔ راجا ثاقب محمود، عاتق محمود، عائشہ ثاقب محمود، عنبر ثاقب، مصدف ثاقب، علایہ، پنڈ دادن خان۔

● ویسے تو ہر ماہ کا شمارہ اچھا ہوتا ہے، لیکن خاص نمبر تو نونہال میں چار چاند لگا دیتا ہے۔ یہ سب انکل مسعود احمد برکاتی اور دوسرے کارکنوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ نونہال اسمبلی میں شرکت کا کیا طریقہ ہے؟ ملائکہ خان، حیدرآباد۔

نونہال اسمبلی میں شرکت کا طریقہ فون نمبر ۳۲۶۱۶۳۸۲ پر رابطہ کر کے معلوم کرلیں۔

● خاص نمبر دیکھ کر ہماری خوشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا۔ کہانیوں میں اصلی شہزادی، وفادار ہاتھی اور جاگ اُٹھا سردار بہت ہی سبق آموز اور تجسس سے بھرپور تھیں۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریر "تہذیب کی ابتدا کیسے اور کہاں سے ہوئی" معلومات کا خزانہ تھی۔ نظم "شہیدِ پاکستان کی یاد میں" اثر انگیز تھی۔ راجا فرخ حیات، راجا عظمت حیات، راجا نزہت حیات، پنڈ دادن خان۔

● اشتیاق احمد کا ناول زیادہ اچھا نہیں لگا۔ کہانیوں میں ایک چیل کی کہانی (جمیل جالبی)، وہ میرا بیٹا نہیں ہے، ایک ٹانگ کا بادشاہ بہت اچھی لگیں۔ اس بار سوالات آسان تھے۔ زندگی کا اُجالا (مسعود احمد برکاتی) کافی اچھی تحریر تھی۔ بندریا بیگم کہانی اچھی نہیں لگی۔ نام پتا نامعلوم۔

● خاص نمبر زبردست تھا۔ بیٹے کی قیمت (اشتیاق احمد)، ایک چیل کی کہانی (جمیل جالبی)، بابا! من کی آنکھیں کھول (حکیم محمد سعید)، وہ میرا بیٹا نہیں ہے (شمینہ پروین) بہت شان دار کہانیاں تھیں۔ باقی شمارہ بھی نہایت شان دار تھا۔ تمام سلسلے بہترین تھے۔ ولید اللہ خان، کوہاٹ۔

● خاص نمبر تعریف کے قابل ہے۔ خاص طور پر اشتیاق احمد کے ناول نے بازی جیت لی۔ سہیل احمد پاپوزئی، کراچی۔

● خاص نمبر بہت ہی زیادہ لاجواب تھا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ناول (اشتیاق احمد) بھی بہت زبردست تھا۔ تمام معلوماتی سلسلے علم گھر، علم در یچے، نونہال ادیب اور بیت بازی بھی شان دار تھی۔ سرورق نے تو دل موہ لیا۔ شمارے کی جتنی تعریف کی جائے، کم ہے۔ سیدہ اریبہ بتول، کراچی۔

● ہر سال کی طرح اس سال بھی جون کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ داؤد تجویر خان، حیدرآباد۔

● خاص نمبر پڑھا بہت ہی اچھا تھا، ہر سلسلے پر، ہر سطر پر آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی محنت نظر آ رہی تھی۔ آپ کو خاص نمبر نکالنے پر مبارک باد۔ کہانیوں میں تھانے دار کے نام درخواست، ایک پانچ کا کھیل اور جاگ اُٹھا سردار بہت ہی پسند آئیں اور ان سے بھی زیادہ اشتیاق احمد کا ناول اچھا لگا۔ ہمایوں طارق، ملتان۔

● خاص نمبر بہت دل چسپ تھا۔ بیٹے کی قیمت، شرارت نمبر ۳۲، وہ میرا بیٹا نہیں ہے اور بلاعنوان کہانی پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ ایک ٹانگ کا بادشاہ بھی کافی دل چسپ تھی۔ محمد سعد، کراچی۔

● ہمدرد نونہال بہت اچھا رسالہ ہے، جس میں کہانیوں کا تو جواب ہی نہیں۔ حبیب الرحمٰن، رحمہ، مانسہرہ۔

● خاص نمبر واقعی بہت خاص تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک اور سپرہٹ تھی اور تحفہ (مزے دار کہانیوں کی کتاب) بہت پسند آیا۔ اشتیاق احمد کا ناول بہت زبردست تھا۔ لطیفے پہلے سے بہتر تھے۔ حرا سید شاہ، حیدرآباد۔

● اتنا زبردست خاص نمبر تیار کرنے پر آپ کو بہت ساری مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ سارے سلسلے بہت اچھے تھے۔ سب سے پہلے آپ کی پہلی بات پڑھی، پھر دیکھتے ہی دیکھتے پورا رسالہ پڑھ لیا، بہت مزہ آیا۔ بلاعنوان کہانی اچھی تھی، ایک ٹانگ کا بادشاہ، ایک پانچ کا کھیل، نئی زندگی بھی اچھی لگی۔ ننھے ادیب کی تحریریں بہت پسند آئیں۔ انکل! میں نونہال کا مستقل قاری ہوں۔ مجھے بک کلب کا ممبر بنا لیجیے۔ سید محمد عباس رضا علی رضا، پتا نامعلوم۔

ممبر بننے کے لیے پتا ضروری ہے، وہ آپ نے لکھا نہیں ہے۔

● خاص نمبر کا سرورق بہترین تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات نے ہمیشہ کی طرح دل موہ لیا۔ "زندگی کا اُجالا" رسالے میں ہیرے کی طرح چمک رہا تھا۔ شہید حکیم محمد سعید کی کہانی پڑھ کر دل بھر آیا۔ شرارت نمبر ۳۲، میں وعدہ کرتی ہوں، محنت کا پھل، نئی زندگی، بابا چیا، وہ میرا بیٹا نہیں ہے اور بلاعنوان کہانی نے رسالے کو چار چاند لگا دیے۔ بیٹے کی قیمت اور تھانے دار کے نام ایک درخواست نمبرون کہانیاں تھیں۔ اریبہ انصاری، کراچی۔

● خاص نمبر بہت سپرہٹ تھا۔ زندگی کا اُجالا، بابا! من کی آنکھیں کھول اور چیل کی کہانی بہت اچھی تھی۔ تھانے دار کے نام ایک درخواست اور بندریا بیگم پڑھ کر مزہ آ گیا۔ بیٹے کی قیمت (ناولٹ) خوب صورت تھا۔ طوبیٰ تجسم محمد امین گھکھڑی، پتا نامعلوم۔

● آپ کو اور آپ کی ساری ٹیم کو ایک بہترین خاص نمبر نکالنے پر مبارک باد پیش

کرتا ہوں۔ خاص نمبر کی تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں اور خصوصاً اشتیاق احمد کا ناول بڑا زبردست تھا۔ محمد صالح مراد، سکھر۔

● ہمدرد نونہال کی تعریف کرنا گویا سورج کو چراغ دکھانا ہے۔ اتنی محنت، لگن اور پیار سے ہمارے لیے ہمدرد نونہال شائع کرنے پر ہم آپ کے اور آپ کے تمام ساتھیوں کے تہِ دل سے شکر گزار ہیں۔ ماریا کمل لاڈ، اقرا ء لاڈ، سکھر۔

● خاص نمبر آیا تو خوشی سے ہمارا سیروں خون بڑھ گیا۔ نونہال کی تعریف سورج کو چراغ دکھانے کے برابر ہے۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات تو رسالے کی جان ہیں۔ ان کے بغیر نونہال مکمل نہیں ہے۔ حکیم انکل کی تحریر بہت اچھی لگی۔ بابا! من کی آنکھیں کھول۔ کہانیوں میں بابا چیبا (ریئس فاطمہ)، جادو کی چھڑی (وقار محسن)، عمارت نمبر ۳۲ (انوار آس محمد)، وہ میرا اپنا نہیں ہے (ثمینہ پروین)، بلاعنوان کہانی (م۔ ندیم ملیک) بہت پسند آئیں۔ رخسانہ شاہین، قرۃ العین قیوم، راولپنڈی۔

● خاص نمبر پاکر بہت خوشی ہوئی۔ سرورق کو دیکھ کر ہی اس کی خوب صورتی کا اندازہ ہو رہا تھا اور ناول کی تو کیا ہی بات تھی۔ سالنامے کی ایک ایک کہانی قابلِ تعریف تھی۔ آخر میں نونہال کے تمام عملے کا بھرپور شکریہ ادا کرتی ہوں کہ انھوں نے ہمدرد نونہال کی شکل میں نونہالوں کو بہت خوب صورت تحفہ دیا۔ ماہم شہاب، کراچی۔

● جون کا شمارہ سپرہٹ تھا۔ ہر چیز مزے دار تھی۔ کہانیوں کا تو کوئی جواب نہیں تھا۔ نظمیں بھی قابلِ تعریف تھیں۔ لطیفوں نے تو حد کر دی، ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے۔ اشتیاق احمد کا ناول بڑا ہی دل چسپ تھا۔ غرض یہ کہ ہر لحاظ سے بہترین تھا۔ طیبہ رانا عدنان، کراچی۔

● تمام کی تمام کہانیاں، نظمیں، لطیفے، بیت بازی، روشن خیالات، حکیم صاحب کی باتیں، چاچا بی صاحب کی یادیں اور بیرزا ادیب صاحب کا، والد سے بیرزا ادیب بننا، سندھ مدرسہ کی تاریخ، تہذیب کی ابتدا تحریریں بہت ہی اچھی اور مزے دار لگیں۔ اس خاص نمبر نے تو پچھلے تمام خاص نمبروں کو مات دے دی ہے۔ حرا یاسمین، ملا ہور۔

● ساری کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ سب سے اچھی کہانی عمارت نمبر ۳۲ رہی۔ اس کے علاوہ نظموں میں گرمی اور مشورہ اچھی لگیں۔ غرض یہ کہ جون کا پورا شمارہ بہت اچھا تھا۔ لاصب اعجاز، کراچی۔

● خاص نمبر بہت ہی شان دار تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ اشتیاق احمد کا ناولٹ بہت زبردست تھا۔ نادیہ اقبال، کراچی۔

● شمارہ اپنی مثال آپ تھا۔ لطیفے بہت اچھے لگے۔ تمام کہانیاں سپرہٹ تھیں۔ جاگو جگاؤ بھی بہت اچھا لگا۔ انکل! کیا ہم نونہال خبرنامے کے لیے کچھ بھیج سکتے ہیں؟ عابد رحمن، ملا ہور۔

ضرور بھیج سکتے ہیں۔ کوئی انوکھی، اچھوتی خبر جو بچوں کی دل چسپی کی ہو، لیکن تصدیق شدہ ہو۔

● ہمدرد نونہال ہمارے گھر میں ۳۰ سال سے آ رہا ہے میں نے اور میرے بہن بھائیوں نے اردو پڑھنا ہمدرد نونہال سے ہی سیکھی ہے۔ ہمدرد نونہال زبردست رسالہ ہے۔ خاص نمبر نے تو محفل ہی لوٹ لی۔ سب کچھ بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ اور پہلی بات پڑھ کر تو مزہ ہی آ گیا اور خاص طور پر ناولٹ تو شمارے کی جان تھا۔ لطیفے بھی بہت زبردست تھے۔ امبرین فاطمہ، وہاب فاطمہ، سکھر۔

● جون کے شمارے میں بندر یا بیگم، بابا چیبا، ایک چیل کی کہانی، محنت کا پھل، جادو کی چھڑی، دیوی کی آنکھیں، بلاعنوان کہانی تو نمبر ون تھیں۔ نظموں میں ''اے ارضِ وطن'' بہت اچھی تھی۔ حفصہ نادر خان، میرپور خاص۔

● پہلی بات اور روشن خیالات ہمیشہ کی طرح سبق آموز تھے۔ تحریریں سب ہی بہت خوب صورت تھیں۔ خاص طور پر بابا! من کی آنکھیں کھول، امی جان اور جمیل جالبی پر آپ کی تحریر بہت اچھی لگیں۔ تمام کہانیاں لاثانی تھیں۔ عمارت نمبر ۳۲، وہ میرا اپنا نہیں ہے، بابا چیبا اور اشتیاق احمد کا ناولٹ ''بیٹے کی قیمت'' نے تو رسالے کو چار چاند لگا دیے۔ دادی کی باتیں پڑھ کر ہنسی بھی آئی اور جب بات منانے کا اصل طریقہ بھی معلوم ہو گیا۔ مریم لاقانی، گوجر خان۔

● سب تحریریں بہت ہی اچھی تھیں۔ میں نے ابھی خاص نمبر پورا پڑھا نہیں تھا، لیکن چند صفحات پڑھنے سے دل باغ باغ ہو گیا۔ عزل شہزادی، گوجرانوالہ۔

● مجھے اس دفعہ خاص نمبر میں اتنی ساری کہانیاں پڑھنے میں بہت مزہ آیا اور کہانیوں کی دل چسپ کتاب کا تحفہ بہت ہی زیادہ دل چسپ تھا۔ عمیر کامران، کراچی۔

● کہانیوں میں اشتیاق احمد کا ناول سب تو تمغ بازی لے گیا۔ لطیفے بہت پسند آئے۔ سلسلے وار کہانی کی کمی شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ عتیق الرحمن، جھنڈو۔

● خاص نمبر ہماری توقع سے بھی بڑھ کر تھا۔ انکل! لگتا ہے آپ نے خاص نمبر کے لیے بہت ہی زیادہ محنت کی ہے۔ سب سے پہلے تو اشتیاق احمد کا ناول بیٹے کی قیمت قابلِ تعریف ہے۔ کہانیاں تو تمام ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ رفیعہ سحر، حیدرآباد۔

● خاص نمبر، واقعی خاص نمبر ہوتا ہے۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ سمیعہ

خلیل الرحمٰن، حیدرآباد۔

● خاص نمبر بے حد پسند آیا۔ سرورق بہت خوب صورت تھا۔ دونوں بچے جڑواں بھائی لگ رہے تھے۔ ویسے تو سب کہانیاں بہت مزے دار تھیں جیسے کہ بابا! اسن کی آنکھیں کھول، تھانے دار کے نام ایک درخواست، زندگی کا اُجالا، عمارت نمبر ۳۰۲، امی جان، میں وعدہ کرتی ہوں، بائے سولن ا، ایک قتل کی کہانی، جنت کا پھل، نئی زندگی، بیٹے کی قیمت، ایک پانچ کا کھیل، جادو کی چھڑی، بندر یا بیگم، بابا چینا، وہ میرا اپنا نہیں ہے، دیوی کی آنکھیں، اصلی شہزادی، جاگ اٹھا سردار، ایک ٹانگ کا بادشاہ، مٹی کا روشن دیا، وفادار ہاتھی، دادی کی باتیں، یہ سب پڑھ کر مزہ آیا۔ معلومات افزا سے معلومات میں اضافہ ہوا۔ میں اپنی تصویر سرورق کے لیے بھیجنا چاہتی ہوں، تصویر کیسی ہو؟ میں نونہال میں کہانیاں بھی لکھنا چاہتی ہوں۔ آپ میری رہنمائی کریں کہ کہانی کن شرائط کے مطابق لکھی ہونی چاہیے۔ اریبا محمد رشید حاوا، کراچی۔

> تین سے پانچ سال کے بچے کی تصویر لگائی جاتی ہے۔ تصویر اچھے موڈ میں، گہرے رنگ میں اور سادہ پس منظر میں ہو۔ کہانی کے سلسلے میں شمارہ جولائی ۲۰۱۴ کا صفحہ نمبر ۱۰ غور سے پڑھیے۔

● تمام کہانیاں بہت اچھی لگیں، مگر بلا عنوان کہانی کا تو جواب ہی نہیں۔ روشن خیالات بہت اچھے تھے۔ بیرس کشف خان، سا گھڑ۔

● واہ وا! جون کا مہینا آیا اور خاص نمبر ہاتھ میں آیا۔ سب سے پہلے اتنا اچھا رسالہ شائع کرنے پر محترمہ سعدیہ راشد، محترم مدیر صاحب اور ان کی پوری ٹیم کو مبارک ہو۔ کہانیاں بیٹے کی قیمت، بابا چینا، اصلی شہزادی، عمارت نمبر ۳۰۲، وہ میرا اپنا نہیں ہے بہت اچھی لگیں۔ خاص نمبر کا تحفہ کہانی کی کتاب لا جواب ہے۔ نظموں میں گری، یہ باتیں چھوڑو، بہت اچھی لگیں۔ لطیفے بھی اچھے تھے۔ فیضان احمد خان، میرپور خاص۔

● خاص نمبر بہت اچھا لگا۔ تمام کہانیاں بہت اچھی تھیں۔ روشن خیالات بھی بہت اچھے تھے، ہنسی گھر بالکل اچھا نہیں لگا۔ عبدالرؤف (عرف) اظفر، سا گھڑ۔

● پہلی بات اور زندگی کا اُجالا پڑھ کر اچھا لگا، بلکہ زندگی کا اُجالا، ہمارے اندر بھی اُجالا کر گیا۔ بابا! اسن کی آنکھیں کھول اور امی جان بہت اچھے مضامین تھے۔ جمیل جالبی، ستاروں کا اتفاق، روشنی پیدا کرنے والے جانور، مٹی کا روشن دیا، دادی کی باتیں زبردست تھیں۔ بابا چینا بہت اچھی دل پر اثر کر گئی، بلکہ آنکھیں نم ہو گئیں۔ بیٹے کی قیمت ناولٹ اچھا تھا، لیکن یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ اشتیاق احمد کا ناول ہے، کیوں کہ مکان خریدنے والوں کے بارے میں اشتیاق صاحب نے تنقید کیوں نہیں کی؟ بقیہ کہانیوں میں ایک قتل کی کہانی، ایک پانچ کا کھیل، بائے سولن ا، میں وعدہ کرتی ہوں، تھانے دار کے نام ایک درخواست، دیوی کی آنکھیں، عمارت نمبر ۳۰۲، بلا عنوان کہانی، وہ میرا اپنا نہیں ہے، جاگ اٹھا سردار، اصلی شہزادی زبردست کہانیاں تھیں۔ معلومات افزا ہمارا پسندیدہ سلسلہ ہے۔ ہمیں اس کے جواب ڈھونڈنے میں مزہ آتا ہے۔ خاص نمبر میں تمام نظمیں اچھی تھیں۔ آمنہ سعید، عائشہ، بواب زہرہ، حسن، منار محمد ناظم آباد۔

● کہانیاں سب ہی بہت اچھی تھیں، لیکن روشن خیالات کا تو جواب ہی نہیں۔ ہنسی گھر بالکل اچھا نہیں تھا۔ فضہ کشف عرف منشا، سا گھڑ۔

● خاص نمبر باہر سے جتنا شان دار نظر آ رہا تھا، اتنا اندر سے بھی شان دار تھا۔ انکل! آپ کو خراج تحسین پیش کرنا چاہیے، کیوں کہ آپ جتنی محنت کرتے ہیں، انھیں لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ عزیر احمد، حذیفہ احمد، کراچی۔

● سرورق پر سیف اور امان اللہ فاروق بہت اچھے لگ رہے تھے۔ تحفہ بہت اچھا لگا۔ رسالہ قابل تعریف تھا۔ اشتیاق احمد کا ناول بھی بہت اچھا لگا۔ حفصہ نوید، کراچی۔

● کہانیوں میں عمارت نمبر ۳۰۲، میں وعدہ کرتی ہوں، بائے سولن ا، ایک قتل کی کہانی، جنت کا پھل، نئی زندگی، تھانے دار کے نام ایک درخواست، ایک پانچ کا کھیل، بلا عنوان کہانی، جادو کی چھڑی، بندر یا بیگم، بابا چینا، وہ میرا اپنا نہیں ہے، دیوی کی آنکھیں، اصلی شہزادی، جاگ اٹھا سردار، ایک ٹانگ کا بادشاہ، وفادار ہاتھی، دادی کی باتیں، مختصر یہ سب کہانیاں لا جواب تھیں۔ خاص نمبر واقعی خاص نمبر ثابت ہوا۔ عرشیہ نوید، کراچی۔

● سرورق سے ہی شمارے کی خوبیوں کا اندازہ ہو گیا تھا۔ ناولٹ بیٹے کی قیمت بہت عمدہ تھا۔ عمارت نمبر ۳۰۲، بابا چینا، امی جان، اور زندگی کا اُجالا بہت اچھا لگا پڑھ کر مزہ آ گیا۔ روشن خیالات نے تو واقعی خیالات روشن کر دیے اور لطیفے پڑھ کر تو ہنس ہنس کے پیٹ میں درد ہو گیا۔ نظموں میں مہیو پاکستان کی یاد میں نظم بہت اچھی تھی۔ جاوداں نیر قریشی، فاطمہ گل دشت، نیلوفر، ارتقا نیر قریشی، جگہ نا معلوم۔

● تمام کہانیاں ٹاپ پر تھیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس کو اول یا دوم قرار دیں۔ ہر تحریر قابل تعریف۔ آخر کیوں نہ ہوتی۔ انکل! اور ان کے ساتھیوں نے شب و روز کی محنت سے اپنے کام نہایت ہی عمدہ طریقے سے انجام دیے تھے۔ کرن فدا حسین، ملیر کالونی۔

● اس مرتبہ بھی سال نامہ اچھا رہا اور آپ کی طرف سے خوب صورت کتاب کا

تحفہ بھی اچھا تھا، مگر اسلامی مضامین کی کمی محسوس ہوئی اور اشتیاق احمد کا ناول بیٹے کی قیمت کی تو کیا بات ہے۔ محمد عظیم عالم، اوکاڑہ۔

● ہمدرد نونہال خاص نمبر ہر بار سے زیادہ مزہ دار تھا۔ ہاتھوں میں آتے ہی ایسا لگا جیسے خزانہ ہاتھ آ گیا ہو، علم کا خزانہ۔ جاگو جگاؤ سبق آموز تحریر تھی۔ پہلی بات اور اس مہینے کا خیال بہت پسند آیا۔ زندگی اُجالا۔ انکل مسعود احمد برکاتی نے بہت خوب صورتی سے تحریر کیا۔ ہر لفظ دل میں اترتا چلا گیا۔ شہید حکیم محمد سعید کی تحریر "بابا امن کی آنکھیں کھول" بہت بہترین رہی۔ اشتیاق احمد کا ناولٹ بیٹے کی قیمت بہت زبردست رہا۔ وہ میرا اپنا نہیں ہے (ثمینہ پروین)، وفادار ہاتھی، ایک پانچ کا کھیل، بند دیا بیگم اور بلاعنوان کہانی نے دل موہ لیے۔ بابا چیپا (ریس فاطمہ) دل چسپ اور بہترین تحریر تھی۔ قانے وار کے نام ایک درخواست (گل نوخیز اختر) پڑھ کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ روشنی پیدا کرنے والے جانور (ڈاکٹر کبیل برکاتی)، ایک عظیم درس گاہ (نسرین شاہین)، جمیل جالبی یا اردو ادب کی تاریخ (مسعود احمد برکاتی) معلوماتی تحریریں تھیں۔ غرض کہ خاص نمبر ہر لحاظ سے بہترین، معلومات اور دل چسپیوں سے مزین، اپنے اندر علم کا خزانہ سموئے ہوئے تھا۔ انکل مسعود احمد برکاتی اور ان کی ٹیم نے توقع سے بڑھ کر محنت کی۔ آپ کا بہت بہت شکریہ اور مبارک باد۔ انکل! پلیز بتایئے ناول اور ناولٹ میں کیا فرق ہے؟ عائشہ محمد خالد قریشی، اسامہ محمد خالد قریشی، احمد علی محمد خالد قریشی، بکھر۔

ناولٹ چھوٹے ناول کو کہتے ہیں۔

● جوں ہی جون کا مہینا قریب آنے لگتا ہے ہمدرد نونہال کی پوری ٹیم لنگوٹ کس کر اور ہمت و عزم سے ہم نونہالوں کے لیے خاص نمبر کی تیاریوں میں لگ جاتی ہے اور جب یہ تمام تیاریوں سے گزر کر ہم تک پہنچتا ہے تو آپ کی محنت کو داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ آپ ہمارے لیے ایسا خوب صورت اور مرغوب جال بچھاتے ہیں کہ اس میں ہمیں ہر طرح کا مواد پڑھنے کو دستیاب ہوتا ہے۔ اس خوب صورتی اور دل کشی کی شاباش نہ دینا بڑی ہے۔ محمد وسیم ارشد، ملتان۔

● خاص نمبر سپرہٹ تھا۔ اس مہینے کا خیال بہت عمدہ تھا۔ جاگو جگاؤ میں اچھا سبق دیا گیا تھا۔ بابا چیپا بہت ہی اچھی کہانی تھی اور شرارت نمبر ۳۲ بھی بہت ہی شان دار کہانی تھی۔ اس کے علاوہ ناول نے تو دل موہ لیا۔ وہ میرا اپنا نہیں ہے، بند دیا بیگم، ایک جنگل کی کہانی اور ایک ٹانگ کا بادشاہ بھی بہت اچھی کہانیاں تھیں۔ فہد ماسعد، کھول، پارس، کراچی۔

● خاص نمبر کی ہر کہانی، ہر سلسلہ اور ہر تحریر زبردست تھی۔ سرورق کی تصویر بھی خوب صورت تھی۔ کہانیوں میں قانے وار کے نام درخواست (گل نوخیز اختر)، ایک پانچ کا کھیل (سلیم فاروقی)، بابا چیپا (ریس فاطمہ)، وہ میرا اپنا نہیں ہے (ثمینہ پروین)، وفادار ہاتھی (سمیرا سید)، شکریہ (جیون ادیب) اور بلاعنوان کہانی (م۔ ندیم بیگ) زبردست تھیں۔ تمام سلسلے بھی اے ون تھے۔ کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی۔

● ہمدرد نونہال اپنی جگہ ایک معتبر نام ہے۔ خاص نمبر پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ اس کی ہر کہانی مثالی تھی۔ سب سے پہلے پہلی بات پھر جاگو جگاؤ پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ سب سے زیادہ امی جان کی کہانی اچھی لگی، جس میں محترمہ سعدیہ راشد کے بچپن کی خوب صورت اور سبق آموز یادیں تھیں۔ ڈاکٹر اعراف عظیم الدین انصاری، کراچی۔

● خاص نمبر بہت ہی زبردست ہے۔ زندگی کا اجالا، بابا امن کی آنکھیں کھول، دیوی کی آنکھیں، بیٹے کی قیمت، بلاعنوان کہانی کے علاوہ سب سے زبردست کہانی بابا چیپا تھی۔ تحریم اختر، بہاولپور؟ ... سلطان۔

● خاص نمبر ہر سال کی طرح زبردست تھا۔ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید کی باتیں پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ وہ اب بھی زندہ ہیں وہ واقعی زندہ ہیں، کیوں کہ وہ شہید ہوئے تھے۔ نظموں میں "محبوب پاکستان کی یاد میں" اور "باغ کی سیر" بہت اچھی تھیں۔ کہانیوں میں، میں وعدہ کرتی ہوں، محنت کا پھل، قانے وار کے نام درخواست اور شرارت نمبر ۳۲ سب سے اچھی تھیں اور محترمہ سعدیہ راشد کی سبق آموز کہانی امی جان بہت اچھی تھی۔ ایمان اسلم علی، کراچی۔

● خاص نمبر بہت اچھا تھا۔ سرورق پر دونوں بچے بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔ تمام کہانیاں بہترین تھیں۔ بابا امن کی آنکھیں کھول، شہید حکیم محمد سعید کی تحریر بہت پُراثر تھی۔ ساجدہ محمد عثمان، کراچی۔

● خاص نمبر کا تو کیا کہنا، تعریف کے لیے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ اگر کسی ایک کہانی کا نام لے کر تعریف کروں، جو رہ جائے گی ان کے ساتھ زیادتی ہوگی، اس لیے یہ کہنا مناسب ہے کہ اول تا آخر بہترین تھا۔ طوبیٰ احمد فریدہ، احمد خان، واجد علی، دیبان احمد، کراچی۔

● جون کا خاص نمبر پڑھ کر اور دیکھ کر ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ یہ انسانوں کا کام نہیں ہے، بلکہ جنوں کا کام ہے۔ آخر برکاتی صاحب اور ان کے جملہ ساتھیوں نے کس طرح یہ خاص نمبر ترتیب دے کر شائع کیا ہے؟ عقل حیران ہے۔ ایسا لگتا ہے ضرور برکاتی صاحب کے پاس علم و ادب کا طلسمی چراغ موجود ہے، جو ایسا عظیم اور ضخیم نمبر شائع ہوتا ہے۔ ادیب کمال محمد، حیدرآباد۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال جون ۲۰۱۴ء میں جناب م۔ ندیم علیگ کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کرنے کے بعد ایک عنوان "صبح کا بھولا" کا انتخاب کیا ہے۔ یہ عنوان ہمیں مختلف جگہوں سے پانچ نونہالوں نے ارسال کیا ہے۔ جن نونہالوں کو انعام کے طور پر ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے، ان کے نام یہ ہیں:

۱۔ ضحیٰ عامر، کورنگی، کراچی

۲۔ سید باذل علی اظہر، گلستان جوہر، کراچی

۳۔ جویریہ عبدالمجید، گلشن امین، کراچی

۴۔ چودھری محمد پرویز رند حاوا، سانگھڑ

۵۔ شہزیم راجا، کچھی کالونی، جھڈو

چند اور اچھے اچھے عنوانات

کفارہ۔ انسان اور آدمی۔ جاگ اُٹھا انسان۔ رکشے والا سیٹھ۔

تلافی۔ انوکھا ملن۔ اقبال جرم۔ ندامت۔ خدا کی مصلحت

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: مریم مظہر، سجاد خان سواتی، صالحہ کریم، حسنین راحت، خلیل الرحمن، سید عمران حیدر، زہرہ ثرم فریدی، محمد رافع، محمد معاذ عمران، سید محمد عثمان، کرن مرسلین، علینہ وسیم، سید عابد حسین، کامران شفیق، سہیل احمد بابوزئی، ماہ نور ارشد، اسماء زینب، عباسی، نادیہ اقبال، محمد عبداللہ مبشر، شازیہ انصاری، سیدہ حمنہ خالد،

رخسانہ ناظم علی، آمنہ سلمان، واجد نگینوی، حسن رضا قادری، رضی اللہ خان، احمد رضا، رومیسہ زینب چوہان، ذیشان احمد، سید اشرف علی، عبہر کامران، مصباح تسیم خان، سید شمظل علی اظہر، بنت سہیل، محمد ذیشان نعیم، محمد شایان، اسمر خان، فلک محمد علی، زنیرہ خالد، عبدالوہاب، زاہد محمود، سمعیہ توقیر، طہور اعدنان، آرز جنید، سید حسنین احمد، اسریٰ خان، اعرج زبیر علوی، سیدہ مریم محبوب، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ جویریہ جاوید، سید عفان علی جاوید، ایمن شہباز احمد، جلال احمد خان، حافظ محمد بلال، اعراف نعیم الدین انصاری، کومل فاطمہ اللہ بخش، پارس فدا حسین کیریو، بسمہ وقاص، عائشہ ذوالفقار، رخشی آفتاب، فائق سلیم، سیدہ ابیہا حسن، سمیہ، سارہ ظفر، زہرہ شفیق، علینہ اختر، ایمان اسلم علی، سمعیہ شاہد، سید عبدالرحمن حسین، فریحہ مسعود، سندس آسیہ، عروج اسلام اختر، عرفان حسین، زونیرا فاروقی، عریبہ عظیم، اریبہ انصاری، تسمینہ ادریس کھتری، سنبل مکی، اریبہ امجد رندھاوا، اریج طاہرہ، تحریم خان، عرشیہ نوید حسنات احمد، سیدہ ابیہا زہرہ، سیدہ اریبہ بتول، محمد عثمان نواز، علی حسن، محمد نواز، محمد معین الدین، احسن احمد اشرف، محمد احمد حسین، رضوان ملک، ماہم شہاب، رمشا ظفر، صباء، صالحہ فاطمہ شیروانی، حمامہ حسن، محمد حبیب الرحمن، سعد رشید، عائشہ قیصر، رشنا شیخ، سعیدہ جمیل احمد، منظور احمد، صبا عبدالغنی، یسریٰ فرزین، ارج فاطمہ، محمد اویس، دانیہ حسیب، شمسہ کنول عثمانی، طاہر مقصود، فضل قیوم خان، فضل ودود خان، محمد عزیر، لاعبہ اعجاز، سیدہ عائشہ خلیق الرحمن، مہانور، سید حفصہ ندیم، محمد اسامہ اقبال، حبا ارشد، طوبیٰ تبسم، محمد امین کھتری، سیدہ تسنیم ذارا زیدی، اریبہ شیخ ☆ حیدرآباد: انوشہ سلیم الدین، ملائکہ خان، عبداللہ ضیاء الدین، محمد اعظم اشرف، اریبہ انجم، داؤد تنویر خان، غلام مصطفیٰ قائم خانی، ماہ نور ممتاز، ماہ رخ، مریم کاشف، حبہ جواد کریم، مقدس عبدالجبار، سید محمد جنید علی، بلال رضا، عائشہ ایمن عبداللہ ☆ میرپورخاص: کائنات محمد اسلم، لائبہ اعظم مغل، عائشہ حمید، محمد محسن مشتاق، فیضان احمد خان، احسان اللہ، حمنہ رؤف، احمد عبدالرحمن، عاقب اسماعیل، طوبیٰ محمد اکرم، فیروز احمد، حفصہ نادر خان ☆ جامشورو: اقصیٰ مظہر علی، عمر سعد ☆ سکرنڈ: محمد حذیفہ سلیم، کنول سعید خانزادہ راجپوت، سدرہ ندیم خانزادہ راجپوت ☆ سانگھڑ: اقصیٰ انصاری، علیزہ

ناز منصوری، عائشہ اسلام، یسریٰ کشف خان، عبدالرؤف، فضہ کشف، سائرہ نازش خان ☆ ٹنڈو الہیار: مبشر حسن، عریشہ ارشد، حماد خالد، محمد جاوید امتیاز ☆ سکھر: فلزہ مہر، زینب فاطمہ، ماریہ اکمل لاڑ، اقراء لاڑ، عائشہ محمد خالد قریشی، عاقب علی، عمارہ ثاقب، مہرین فاطمہ ☆ لاڑکانہ: اظہر علی پٹھان، سرکشا کماری ☆ کوئٹہ: گل اشت نیر قریشی، زینب بلوچ ☆ ملتان: محمد ہمایوں طارق، ربیعہ نعیم، محمد زبیر ارشد، مریم رشید، درشہوار فاطمہ، سندس شہزادی ☆ فیصل آباد: علینہ عامر، محمد عبداللہ ضیاء، محمد سبطین اعوان ☆ لاہور: محمد حسن سہیل، ماہین صباحت، عظمیٰ جلیل، عابد رحمان، جواد الحسن، امتیاز علی ناز، وہاج عرفان، مصباح صابر ☆ کاموکی: محمد حاشر علی قادری، محمد صائم نواز قادری، مناہل سرور قادری، حسن رضا سردار، محمد اسد رضا قادری، صدام حسین قادری، محمد سعد رضا قادری، نور فاطمہ قادری، محمد صفدان رضا قادری، محمد معین الدین قادری، حلیمہ نشان، محمد عثمان قادری، محمد حامد رضا قادری ☆ راولپنڈی: شاہ عالم زمرد، غلام عائشہ، بریرہ متین ☆ جہلم: سیمان کوثر، سیدہ مناہل حسن عابدی، راجا ثاقب محمود جنجوعہ ☆ خوشاب: نعیم اللہ، محمد قمر الزماں ☆ اٹک: عمیرہ عدیل، اسوہ الحسینی، محمد توقیر رعنائی، بی بی سارہ شعیب ☆ پشاور: محمد حمدان خان، حانیہ شہزاد ☆ اسلام آباد: سیدہ مشعال حسن، محمد حمزہ فارانی ☆ ڈیرہ اللہ یار: آصف علی کھوسہ، عمران خان کنبار ☆ بہاول پور: مبشرہ حسین، عبدالرافع ☆ بہاول نگر: انیلہ ارشد، محمد احمد ☆ کلورکوٹ: زین عباس، عامر سہیل ☆ بورے والا: عائشہ سرور، عبدالرحمٰن ☆ کوٹری: وانیہ شیخ ☆ کھوسکی: سرفراز احمد ☆ گجر خان: مریم لاثانی ☆ واہ: سارہ ثاقب ☆ ٹمیاری: عبدالرزاق سموں ☆ پٹارو: حافظ معصب سعید ☆ نواب شاہ: ثوبیہ رانی ☆ ٹنڈو جام: پیر حیدر علی شاہ ☆ دولت پور: ایمن سعید خانزادہ ☆ بیلہ (بلوچستان): طوبیٰ احمد صدیقی، محمد حسین ☆ تربت: صباح عبدالمجید دشتی ☆ رحیم یار خان: ماہم فاطمہ ☆ ایبٹ آباد: امیر آفتاب ☆ بھکر: محمد مجیر خان ☆ ہری پور: طیب ☆ ڈیرہ اسماعیل خان: رابعہ فاروق ☆ گوجرانوالہ: مزمل شہزادی ☆ سرگودھا: زین خان ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ صوابی: فرحین علی خان۔

☆☆☆

جوابات معلومات افزا -۲۲۲

سوالات جون ۲۰۱۴ء میں شایع ہوئے تھے

جون ۲۰۱۴ء میں معلومات افزا-۲۲۲ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے قرعہ اندازی کے ذریعے سے بیس نونہالوں کے نام نکالے گئے۔ ان بیس نونہالوں کو انعامی کتاب بھیجی جائے گی۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ کے والد تھے۔

۲۔ حضرت اسماعیلؑ کے بارہ بیٹے تھے۔

۳۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ پہلا تجارتی سفر ملک شام کی طرف کیا تھا۔

۴۔ نواب سراج الدولہ اور انگریزوں کے درمیان پلاسی کے مقام پر جنگ ہوئی تھی۔

۵۔ روم اٹلی کا دارالحکومت ہے۔

۶۔ یورپ میں مسلم اکثریت والا واحد ملک البانیا ہے۔

۷۔ ''امونیم کلورائیڈ''(AMMONIUM CHLORIDE) کو اردو میں نوشادر کہتے ہیں۔

۸۔ دنیا کا سب سے تیز دوڑنے والا جانور چیتا ہے۔

۹۔ آذربائیجان کا سکہ منات کہلاتا ہے۔

۱۰۔ موجودہ چیف جسٹس آف پاکستان، جسٹس تصدق حسین جیلانی ہیں۔

۱۱۔ کوٹلی آزاد کشمیر کا ایک شہر ہے۔

۱۲۔ حق کی جمع حقوق ہے۔

۱۳۔ ''خان'' ترکی زبان کا لفظ ہے، جس کا مطلب ہے، سردار۔

۱۴۔ اردو محاورے کے پورے الفاظ یہ ہیں: ''ناک پر مکھی نہ بیٹھنے دینا۔''

۱۵۔ نواب زادہ لیاقت علی خاں کی پہلی بیوی کا نام جہانگیرہ بیگم تھا۔

۱۶۔ مشہور شاعر میر مہدی مجروح کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

کیا ہماری نماز، کیا روزہ — بخش دینے کے سو بہانے ہیں

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: کومل فاطمہ اللہ بخش، سیدہ عائشہ خلیق الرحمٰن، سید عفان علی جاوید، محمد حبیب الرحمٰن، موبل فاطمہ ☆ میر پور خاص: طوبیٰ محمد اکرم ☆ حیدر آباد: یاسر رضا ☆ لاڑکانہ: سرکشا کماری ☆ کاموکی: محمد حامد رضا قادری ☆ لاہور: صفی الرحمٰن، امتیاز علی ناز ☆ پشاور: حانیہ شہزاد ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ اٹک: عمیرہ عدیل ☆ گوجرانوالہ: مزمل شہزادی ☆ کوئٹہ: زینب بلوچ ☆ سکھر: زینب فاطمہ ☆ راولپنڈی: محمد ارسلان ساجد ☆ ملتان: در صبیح ☆ ٹھٹھہ: صدام حسین میمن۔

۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے کام یاب نونہال

☆ کراچی: تحریم خان، علینا اختر، اریبہ امجد رندھاوا، مجیر کامران، سید باذل علی اظہر، سید شمظل علی اظہر، ثانیہ انصاری، سیدہ جویریہ جاوید، سیدہ سالکہ محبوب، سیدہ مریم محبوب، علی سلمان، سیدہ عمران حیدر، حسن شفیق، دریشہ اجمل، علیزہ شمیل، سیدہ اریبہ بتول، شمسہ کنول، صبا نور، محمد سعد عمران ☆ میر پور خاص: عدیل احمد، لائبہ اعظم مغل، عائشہ حمید، محمد محسن مشتاق ☆ جامشورو: حافظ مصعب سعید، اقصیٰ مظہر علی ☆ حیدر آباد: عائشہ ایمن عبداللہ ☆ لاڑکانہ: اظہر علی پٹھان، ☆ کاموکی: منائل سرور قادری، محمد صائم نواز قادری، محمد حاشر قادری، محمد عثمان قادری، علیمہ نشان، محمد معین الدین قادری، محمد صفدان رضا قادری، نور فاطمہ قادری، محمد سعد رضا قادری، صدام حسین قادری، محمد اسد رضا قادری، حسن رضا سردار ☆ لاہور: مطیع الرحمٰن، دباج عرفان، عابد رحمٰن، مصباح صابر ☆ پشاور: عبدالمعز اسلم خان ☆ ٹمیاری: عبدالرزاق سموں ☆ نصر پور: مبشر حسن ☆ سانگھڑ: چودھری منیب احمد رندھاوا ☆ راولپنڈی: شانزہ شہزاد ☆ کرک: حارث زمان ☆ سرگودھا: کامران علی۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: آرزو جنید، رضی اللہ خان، سارہ ظفر، تسمینہ ادریس کھتری، عباس رضا، سید اشرف علی، بسمہ وقاص، نوید احمد فرید، حمیرا رحیم، سید محمد عثمان، سید عابد حسین، سیدہ حمنہ خالد، سیدہ ابجد حسن، ماہم شہباز احمد، اریبہ انصاری، نور الصباء ادریس، سید عبدالرحمٰن حسین، کرن مرسلین، تابندہ آفتاب ☆ حیدر آباد: مریم کاشف، ماہ رخ ☆ بے نظیر آباد: منور سعید خانزادہ راجپوت، ایمن سعید خانزادہ ☆ سکھر: امامہ ساجد زبیر، عمارہ ثاقب ☆ بہاول پور: مبشرہ حسین، عبدالرافع ☆ ملتان: لائبہ ممتاز، شاہ زیب ☆ راولپنڈی: کومل سلیم، مریم لاثانی، محمد شہیر یاسر، حفصہ کامران ☆ کوٹری: رافع شیخ ☆ سکرنڈ: صادقین نسیم خانزادہ ☆ اسلام آباد: ہادیہ جلیل ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ صوابی: فرحین علی خان ☆ پشاور: محمد حیات خان

☆ سرگودھا: زین خان ☆ فیصل آباد: محمد عبداللہ حسین ☆ کھوکی: سرفراز احمد ☆ جامشورو: مدیحہ سحر ☆ جہلم: سیماں کوثر ☆ رحیم یار خان: ماہم فاطمہ، نویلہ حسین ☆ خوشاب: محمد قمر الزماں ☆ لاہور: جہانزیب مرزا ☆ بھکر: محمد مجیر خان ☆ ایبٹ آباد: امیر آفتاب ☆ میرپورخاص: کائنات محمد اسلم ☆ بیلہ (بلوچستان): محمد حسین فدا حسین ☆ ڈیرہ اللہ: آصف علی کھوسو۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: اختر حسین عرفات، عبدالرافع، عائشہ قیصر، فلک محمد علی، محمد ذیشان نعیم، سید سبطین احمد، فہد فدا حسین کیریو، مجاہد الرحمٰن، لائبہ اعجاز، ضحیٰ عامر، سیدہ حفصہ ندیم، یوسف کریم، اسریٰ خان، محمد آصف انصاری، فریحہ مسعود، صالحہ فاطمہ شیروانی، دروہ خالد ☆ حیدرآباد: اویس احمد خان، سیدہ مشابہ فاطمہ، دعا ذوالفقار بجانی، ملک محمد زاہد، شین خان، ملائکہ خان ☆ میرپورخاص: حفصہ نادر خان ☆ بہاول نگر: محمد احمد ☆ واہ کینٹ: سارہ ثاقب ☆ اٹک شہر: بی بی سارہ شعیب ☆ وہاڑی: عائشہ سرور ☆ فیصل آباد: آئمہ عامر ☆ جھڈو: شہزیم راجا ☆ بیلہ (بلوچستان): طوبیٰ احمد صدیقی ☆ شیخوپورہ: محمد احسان الحسن ☆ ملتان: محمد زبیر ارشد ☆ اسلام آباد: محمد حمزہ فارانی ☆ سکھر: عائشہ محمد خالد قریشی ☆ لاہور: فروا آمنہ۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: سید حمزہ امام، حمامہ حسن، صفیہ شرف الدین، عرشیہ نوید، سمیعہ توقیر، سنبل نکی، منصور احمد، سعیدہ جمیل احمد ☆ سانگھڑ: اقصیٰ انصاری، عبدالرؤف عرف اظفر ☆ راولپنڈی: شاہ عالم زمرد ☆ حیدرآباد: اریبہ انجم ☆ گوجرانوالہ: ثمامہ بنت محمد انور ☆ میرپورخاص: عائشہ اسماعیل ☆ ننڈو جام: پیر حیدر علی شاہ ☆ بہاول پور: محمد اسامہ اقبال ☆ کیچ مکران (بلوچستان): صباح صباء عبدالمجید دشتی۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: محمد بلال صدیقی، فاتحہ نیر قریشی، جلال احمد خان، عیشہ عظیم، ماہ نور ارشد، سعد رشید، ارقم بن نہال، حسن رضا قادری، طہورا عدنان، احمد حسن مامون، واجد نگینوی، رمشا ظفر، وانیہ حبیب، نایاب مشتاق، اریبہ شیخ ☆ ٹنڈو الہیار: محمد صمیان خان، محمد جاوید امتیاز آرائیں ☆ حیدرآباد: ماہ نور ممتاز، صبیحہ محمد عامر قائم خانی ☆ سانگھڑ: نغمہ کشف ☆ فیصل آباد: محمد سبطین اعوان ☆ جہلم: ثانیہ فرخ جنجوعہ ☆ اسلام آباد: سید سیف اللہ انور۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: صباء عبدالغنی، زونیرا فاروقی، اعرج زبیر علوی، سجاد خان سواتی، جویریہ عبدالمجید، طوبیٰ تبسم ☆ سانگھڑ: سائرہ نازش خان، یسریٰ کشف خان ☆ ملتان: محمد عمر مشتاق احمد، ام مریم ☆ پنڈ دادن خان (جہلم): سیدہ سبین فاطمہ عابدی، سیدہ منابل حسن عابدی ☆ میرپورخاص: فیضان احمد خان ☆ سکرنڈ: محمد علیان سلیم ☆ کوئٹہ: لیلومہ نیر قریشی ☆ چاکرہ: محمد ندیم بن عبدالوحید ☆ خوشاب: نعیم اللہ ولد عبدالغفور۔

☆

نونہال لغت

مَسا	مَ سا	شام کا وقت۔ شام۔ سانجھ۔
عُقدہ	عُ ق دَ ہ	گرہ۔ گانٹھ۔ گتھی۔ بھید۔ راز۔
مَسنون	مَ س نُو ن	سنت کی گئی۔ وہ کام جس کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کیا ہو۔
جاں فزا	جَا ں فِ زَ ا	جان بڑھانے والا۔ خوش کن۔ فرحت انگیز۔
مُہذّب	مُ ہَ ذْ ذَ ب	تہذیب یافتہ۔ شائستہ۔ خلیق۔
دُرشت	دُ رُ شْ ت	سخت۔ کھردرا۔ تیز۔
ناحق	نا حَ ق	حق کے خلاف۔ بے جا۔ نامناسب۔ ناواجب۔
خود کفیل	خُ د کَ فِی ل	اپنے وسائل پر گزارہ کرنے والا۔
طِینت	طِ ی نَ ت	عادت۔ سرشت۔ طبیعت۔ خو۔ جبلت۔
رَوِش	رَ وِ ش	طور طریقہ۔ ڈھنگ۔ چلن، رویہ۔
جَواز	جَ وَ ا ز	جائز ہونا۔ درست ہوا۔ اجازت۔
مُزاحمت	مُ زَ ا حَ مَ ت	روک۔ ممانعت۔ تعرض۔
دَسترس	دَ سْ تَ رَ س	پہنچ۔ رسائی۔ قابو۔ طاقت۔ قدرت۔ قابلیت۔
حاجت	حَا جَ ت	ضرورت۔ غرض۔ خواہش۔ امید۔
اِمتزاج	اِ مْ تِ زَ ا ج	ملاوٹ۔ آمیزش۔ مرکب کرنا۔
راسخ	رَ ا سِ خ	پکا۔ مضبوط۔ اٹل۔
فراوانی	فِ رَ ا وَ ا نِی	بہت زیادہ۔ بکثرت۔ وافر۔
بے نیاز	بے نِ یَا ز	بے غرض۔ جو کسی کا محتاج نہ ہو۔ بے حاجت۔